شمارہ (۱)

انوارِ زر بخش

(سنہ ۲۰۲۲ء ۷۳۶ رویں عرس حضرت خواجہ شیخ
منتجب الدین زر زری زر بخشؒ کے موقع پر
سیمینار میں پڑھے گئے مقالات)



مرتب

محمد ایاز الدین سلیم الدین

ناشر

حضرت برہان الدین غریبؒ اکیڈمی، بڑے عالی خلد آباد (مہاراشٹر)



انوارِ زر بخشؒ

شمارہ (۱)

(سنہ ۲۰۲۲ء ۷۳۶ ؍ویں عرس حضرت خواجہ شیخ منتجب الدین زر زری زر بخشؒ کے موقع پر سیمینار میں پڑھے گئے مقالات)

مرتب

محمد ایاز الدین سلیم الدین

ناشر

حضرت برہان الدین غریبؒ اکیڈمی

بڑے کے عالی خلد آباد (مہاراشٹر)

جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ

نام کتاب	:	انوارِ زر بخشؒ شمارہ (۱)
مرتب	:	محمد ایاز الدین سلیم الدین
سن اشاعت	:	2024
تعداد	:	۱۰۰۰ (ایک ہزار)
صفحات	:	۱۲۶
کمپیوٹر کمپوزنگ	:	شیخ آصف (آیت گرافکس، بائیجی پورہ اورنگ آباد)
قیمت	:	۷۰/روپئے
ISBN NO	:	978-81-955662-3-5



فہرست

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

منقبت

(منقبت در شانِ حضرت خواجہ منتجب الدین زرزری زر بخشؒ)

ہر نفس کو ہے محبت زرزری زر بخش سے
اِس علاقہ کی ہے عزت زرزری زر بخش سے!

ذات ان کی پیکر عشق و محبت ہے سنُو
مانگیئے حق کی محبت زرزری زر بخش سے!

عمر بھر کے واسطے محفوظ رکھ لو تم اُسے
پائی ہے جو بھی امانت زرزری زر بخش سے!

سچ کہوں تو عظمت و عزت یہ خلدآباد کی
ہورہی ہے جگ میں شہرت زرزری زر بخش سے!

قلب ہوجائے گا روشن اہل دل کہلائیگا
جس کو حاصل ہے طریقت زرزری زر بخش سے!

خو بخود دنیا تمہارے پیچھے پیچھے آئیگی
دین کی مانگو تو دولت زرزری زر بخش سے!

اُنکے در سے وہ کبھی مایوس جاسکتا نہیں
جسکو ہے سچی محبت زرزری زر بخش سے!

دیکھ لیتے ہیں درِ اقدس تو خوش ہوجاتا ہے دل
اور کیا مانگے نعمت زرزری زر بخش سے!

انکی چوکھٹ کے گدا جب سے بنیں ہیں با خدا
تب سے ملتی ہے ہدایت زرزری زر بخش سے!

در پہ انکے حاضری دیتے رہو غازیؔ امان
پاہی لوگے تم بصیرت زرزری زر بخش سے!



حرف اوّل

جناب محمد ایاز الدین سلیم الدین ،خادم ومجاور درگاہ حضرت برہان الدین غریبؒ و حضرت خواجہ منتجب الدین زرزری زر بخشؒ ،وسابق رکن کمیٹی خدامین درگاہ جات حدکلاں، پیشہ سے انجینئر اور حضرت برہان الدین اکیڈمی خلدآباد کے صدر، موصوف نے اس سے قبل مخ المعانی کتاب جوحضرت امیر حسن علی سجزیؒ دہلوی نے مرتب کی اس کو مترجم پروفیسر ایس،ایم لطیف اللہ اور ترتیب جدید تدوین محمد ایاز الدین صاحب نے کیا اور منظر عام پر لایا اسی طرح ہر سال عرس حضرت خواجہ منتجب الدین زرزری زر بخشؒ کے عرس کے موقعہ پر بزرگانِ دین پر سیمینار منعقد کیا جاتا ہے، مختلف ریسرچ اسکالر سیمینار میں جو مقالہ پیش کرتے ہیں سال سنہ ۲۰۲۲ء کے سیمینار کے مقالہ جو مندرجہ ذیل ہیں،

۱)شمائل الاتقیاء ایک جائزہ

۲)ہدایۃ القلوب ایک مطالعہ

۳)عہد حاضر میں چشتی تعلیمات کی اہمیت وضرورت

۴)غرائب الکرامات وعجائب المکاشفات ایک تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ

۵)حضرت حماد کاشانیؒ حیات وخدمات

۶)تصوف عین اخلاق

۷)اولیائے خلدآباد کی ادبی خدمات

ان مقالات کو جمع کرکے بزرگانِ دین کے ملفوظات ، ریاضات، مجاہدہ، سلسلہ، نسب، حالاتِ زندگی کو "انوارِزر بخش" میں قلم بند کرکے صوفیائی ادب میں روشنی کی کرن پیدا کرکے ریسرچ اسکالر کے لئے ایک انمول مفید مجموعہ "انوارِزر بخش" کے ذریعہ عطا کیا ہے! مبارکباد کے حقدار ہے محمد ایاز الدین صاحب میں موصوف سے اور مزید امید کرتا ہوں کہ حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ اکیڈمی کے ذریعہ خلدآباد شریف کے عظیم بزرگانِ دین کے ملفوظات جیسے غرائب الکرامات ، بقیتہ الغرائب ، رسالہ زر بخش ،فتوح الاولیاء جیسی قلمی کتابیں منظرِعام پر لائے جس سے صوفیائے ادب سے محبت رکھنے والے محبین اولیاء،کو فائدہ پہنچے۔

نیک تمناؤں کے ساتھ

شیخ ابومحمد قاضی خواجہ محمد

(سابق صدر وسکریٹری کمیٹی خدامین درگاہ جات حدکلاں خلدآباد شریف ضلع اورنگ آباد)



عرض ناشر

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

اللہ کے رسول کے پیارے کا عرس ہے گنج شکر کے آنکھ کے تارے کا عرس ہے
آؤ چلیں کہ رحمت حق کا نزول ہے زربخش دل نواز دلارے کا عرس ہے

قطب الواصلین حضرت خواجہ شیخ منتجب الدین زرزری زربخش دولہاؒ کا عرس ہر سال بڑے ہی تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے، جس میں تمام روایتی رسوم کے علاوہ کئی کلچرل پروگرام بھی ہوتے ہیں جیسے مسابقۂ قرأت القرآن، سیمینار، مشاعرہ، اور جلسہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جس میں سے سیمینار اپنی جگہ اہمیت کا حامل اور شناخت رکھتا ہے کو کچھ وجوہات کی وجہ سے بند ہو گیا تھا سنہ ۲۰۲۲ء میں نئی منتخب درگاہ کمیٹی نے ۷۳۶/ رویں عرس کے موقع پر اسے دوبارہ شروع کیا۔

آج عوام الناس میں انسانی اقدار کے فقدان کی ایک وجہ اولیائے کرام کی تعلیمات سے دوری ہے، سیمینار کا مقصد علم تصوف اور خانقاہی نظام کی اہمیت کو اجاگر کرنا اور ہندوستان میں اشاعت اسلام میں اولیائے کرام کا عظیم حصہ تعلیمات وتصرفات اولیاء سے واقف کروانے کے علاوہ اولیائے خلد آباد کی تعلیمات و خدمات کو اجاگر کرنا نیز حضرت خواجہ شیخ منتجب الدین زرزری زربخشؒ، حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ، حضرت خواجہ زین الدین داؤد حسین شیرازیؒ، حضرت امیر حسن علاء سجزی اور ان کے رفقاء کی شخصیت کو بحیثیت مبلغ، مصلح، صوفی، مفسر، محدث، فقیہ، شاعر، پہچاننا اور جاننا آج کی ضرورت ہے تاکہ لوگ حقیقت سے واقف ہو اور انسان دوست بنیں۔

۷۳۶ رسالہ عرس پر منعقد سیمینار کی صدارت "درگاہ کمیٹی حد کلاں کے صدر جناب محمد اعجاز الدین سلطان احمد نے کی ، سیمینار کمیٹی کے چیئر مین جناب مبشر الدین امیر الدین ، سابقہ صدر ورکن درگاہ کمیٹی تھے اور ناچیز اس سیمینار کا کنوینر تھا ، اس سیمینار کو کامیاب بنانے میں عبد الحمید عبد المجید صاحب ، شمس الدین نور الدین و تمام خدامین نے بڑی کوشش کیں۔

یہ میرے استاد خواجہ حمید الدین قادری مدظلہ المعروف "سر" کی ہر وقت نظر کرم و دعائیں شامل حال ہیکہ حضرت برہان الدین غریب رح اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا اور اس کے ذریعے کام کا آغاز ہوا - حضرت برہان الدین غریبؒ اکیڈمی خلد آباد کی جانب سے ۷۳۶ رسالہ عرس شریف کے موقع پر منعقد سیمینار میں پڑھے گئے مقالے جات کی اشاعت بنام "انوارِ زر بخش " عمل میں لائی جارہی ہے ، تا کہ ہمارے علماء کرام و دانشور حضرت کے رشحات قلم سے ہمارے ذہن و فکر کی تطہیر اور عقائد فاسدہ و گمراہ کن خیالات کی اصلاح ہو اور ہم صراط مستقیم پر قائم رہیں ، انوارِ زر بخش شمارہ (۱) میں کاول ارنسٹ کا ۷۰۰ رسالہ عرس کے موقع پر حضرت برہان الدین غریبؒ کے سماع پر پڑھا گیا مقالہ بھی شامل کیا گیا ہے ، حضرت برہان الدین غریبؒ اکیڈمی کی آئندہ بھی کوشش رہے گی کہ اولیائے خلد آباد کے ملفوظات و سیمینار کے مقالے جات کو شائع کرے ، مجھے یقین ہے کہ عوام الناس اور زائرین ان معلومات آفرین مقالوں سے مستفید و مستفیض ہوں گے اور علم تصوف سے متعلق اپنے معلومات میں اضافہ فرمائیں گے۔

محمد ایاز الدین سلیم الدین

(خادم ومجاور حضرت خواجہ منتجب الدین زرزری زر بخشؒ وحضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ ، خلد آباد)

شمائل الاتقیاء

از

حضرت رکن الدین دبیر عماد کاشانی

ایک مختصر جائزہ

پروفیسر ڈاکٹر مسعود انور علوی

(سابق صدر شعبہ عربی وسابق ڈین فیکلٹی آف آرٹس مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی نے تصوف وعرفان اور سلسلہ عالیہ چشتیہ کے فیضان اور تعلیمات کو ملک کے طول و رعرض میں عام کرنے کی خاطر اپنے مسترشد اور خلیفہ خاص حضرت شیخ منتجب الدین زرزری زر بخش قدس سرہ کو سات سو باکمال مریدین وخلفاء اور اہل خاندان کے ساتھ دکن روانہ فرمایا۔ راہ خدا کے ان سالکین اور طالبین کے پاس شیخ قدس سرہ کے ارشاد پر عمل اور توکل مع اللہ کے سوا بظاہر کوئی زادراہ نہ تھا جب سنہ ۷۰۹ھ میں حضرت زرزری زر بخش کا وصال ہوگیا تو حضرت محبوب الٰہیؒ نے اپنے کشف باطنی سے معلوم کرکے ان کے حقیقی بھائی حضرت برہان الدین غریب سے دریافت فرمایا کہ تمہارے بھائی کتنے برس کے تھے۔ حضرت غریب نے اپنی فراست سے اس ارشاد کے معنی سمجھ لئے مکان آکر بھائی کا غم منایا اگلے روز حضرت محبوب الٰہی بھی ان کے پاس بغرض تعزیت تشریف لائے تھے، پھر کچھ ہی عرصہ بعد حضرتؒ نے حضرت غریب کو خرقہ خلافت عطا

فرما کر اپنے مریدین وخلفاء کی بڑی تعداد کے ساتھ جنوبی ہند روانہ فرمایا۔

حضرت غریب جب خلد آباد تشریف لائے تو آپ کے ہمراہ بھی ۷۰۰ اصحاب تھے چنانچہ ان سب کی یاد گار مسجد چہاردہ صد اولیاء مسجد ہے۔ ۷۳۵ میں حضرت محبوب الٰہیؒ کے وصال کے بعد آپ کے مریدین ومسترشدین اور معتقدین کی ایک بڑی تعداد دہلی کے سیاسی سماجی تہذیبی وثقافتی حالات کی ابتری کی بنا پر دکن آباد ہوگئی حضرت خواجہ سید زین الدین داؤد شیرازی، امیر حسن علاسجزی، یوسف حسینی والد بزرگوار حضرت بندہ نواز، خواجہ غریب اور خواجہ رکن الدین دبیر عماد کاشانی وغیرہم اللہ کا گھرانہ ان مہاجرین میں ممتاز تھے،

حضرت رکن الدین عماد کاشانی ہجرت کے وقت نوجوان تھے اور تحصیل علم میں مشغول تھے، یہاں آ کر انھوں نے درس کے سلسلہ کو پورے انہماک سے جاری رکھا اور خواجہ سید زین الدین شیرازی (۷۷۱ھ) شاگرد رشید مولانا کمال الدین سامانہ سے تکمیل علم فرمائی ۷۳۲ھ میں خواجہ کاشانی موصوف حضرت غریب کے حلقہ ارادت وارشاد میں باقاعدہ داخل ہوئے اور ان کا تمام خاندان بکثرت دوست واحباب وغیرہ بھی جن کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی ان کے دامن فیض وارادت سے وابستہ ہو کر حضرت غریبؒ کے کمالات ظاہری و باطنی دیکھ کر حضرت سید زین الدین شیرازی بھی ۷۳۶ھ میں ان سے بیعت ہوئے۔

سید غلام علی آزاد بگرامی (۱۲۰۰ھ) نے لکھا ہے کہ در سنہ ستۃ وثلاثین وسبع ماتہ برناتت مولانا رکن الدین عماد کاشانی مولف نفائس الانفاس خدمت شیخ برہان الدین دریافت درست انابت داد۔

خواجہ رکن الدین کاشانی ۴/ بھائی تھے۔خواجہ حماد الدین حماد کاشانی ،خواجہ مجد الدین ،خواجہ برہان الدین تھے، یہ چاروں بھائی علم وفضل ،صلاح وتقوی زہداور پاکیزگی نفس سے پوری طرح آراستہ اور پراستہ تھے،افسوس ان کے سوانحی حالات کہیں دستیاب نہیں ہیں۔

خواجہ حماد الدین کاشانی کے تصانیف میں حصول الوصول،اسرارالطریقت اوراحسن الاقوال کوزیادہ شہرت ملی۔

خواجہ مجد الدین کاشانی نے بھی غرائب الکرامات اور بقیہ الغرائب میں اپنے حضرت شیخ کے کرامات وملفوظات جمع کیے۔

خواجہ برہان الدین کاشانی کے سوانح اور آثار کا پتہ نہیں چلتا ہے لیکن یہ بزرگ بھی اپنے باقی تین بھائیوں کی طرح علم وفضل وکمال اور تصنیفی صلاحیتوں کے مالک تھے۔

خواجہ رکن الدین دبیر عماد کاشانی کے علمی وتحقیقی کارناموں میں نفائس الانفاس ملفوظ حضرت برہان الدین غریبؒ،اذ کارالمذکور،رموز الوالہین رسالہ غریب اورشمائل الاتقیاء مشہور ہوئے۔وہ نہایت لایق وفائق بزرگ تھے اور بڑے قادرالکلام شاعربھی۔

نفائس الانفاس میں انہوں نے اپنے شیخ حضرت غریب کے پچاس دنوں رمضان المبارک ۷۳۲ھ سے ۴/ صفر ۷۳۸ھ تک کے ملفوظات جمع فرمائے۔

جو فوائد الفواد کے طرز پر ہیں ان کی وقعت و اہمیت مسلم الثبوت ہے، اس میں حضرت سلطان المشائخ سے متعلق بعض ایسی اہم معلومات بھی ہے ان کے جو دوسرے ملفوظات میں نہیں ہیں۔

نفائس الانفاس کا ایک خطی نسخہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانہ میں ہے اور دوسرا نسخہ مکرمی عبد الحمید عبد المجید صاحب کے توسط سے ڈاکٹر حافظ شبیب انور علوی صاحب استاد شعبہ فارسی لکھنؤ یونیورسٹی کو حاصل ہوا تھا۔ انہوں نے ان دونوں کی روشنی میں اس کا ایک نہایت سلیس ورواں اور بحمد اللہ دیانت دارانہ اردو ترجمہ کیا جو موصوف کے مقدمہ کے ساتھ دوبار دیدہ زیب کتابت وطباعت کے ساتھ ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا۔

شیخ عین الدین گنج العلوم جنیدی بیجاپوری (۷۹۵ھ) جو حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ اور خواجہ زین الدین داؤد حسین شیرازیؒ کے استاد تھے انہوں نے کتاب الانوار میں خواجہ رکن الدین کاشانیؒ کا تذکرہ کیا تھا مگر اب یہ اہم کتاب بھی ناپید ہو چکی ہے۔

شمائل الاتقیاء، اس کے فاضل مصنف نے اپنے شیخ کے حکم پر تصنیف فرمائی تھی، اس کے مضامین، مطالب، مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تصوف کے باب میں بڑی اہم و نادر کتاب بلکہ دائرہ المعارف ہے، اس کے مطالع سے اس کے مصنف کے علمی تبحر، دقیقہ رسی، نکتہ سنجی اور ژرف نگاہی کا بار بار اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

کتاب کی تمہید کے بعد انہوں نے ان تمام کتابوں کی ایک مکمل فہرست دی ہے جن سے شمائل الاتقیاء کی تالیف میں مدد لی ہے۔ اس کی مثال ان کے معاصرین یا بعد کے علماء وصوفیہ کے ہاں نہیں ملتی ہے۔ جا بجا انہوں نے ان اہم کتابوں کے اقتباسات دے کر محاکمہ فرمایا، اپنے خیالات اور آرا کو نقل کیا اور بیشتر مقامات پر قول محقق اور مولف راست کے عنوان سے اپنے بے شمار اشعار درج کئے ہیں۔

اب سے تقریباً سو سال قبل ۱۳۴۷ھ میں یہ اہم تصنیف چار قلمی نسخوں کو سامنے رکھ کر مولوی سید عطا حسین صاحب نے نہایت دقت نظر اور محنت سے ترتیب دے کر نواب صدر یا رجنگ حبیب الرحمن خان شروانی علی گڑھی کی نگرانی میں اشرف پریس واقع حویلی قدیم حیدر آباد دکن سے شائع کی۔ جو بڑا علمی و تحقیقی کارنامہ ہے، یہ بڑی تقطیع ۴۵۰ رصفحات پر مشتمل ہے، اتفاق ہے کہ آج تک اس نہایت مفید و منفرد اور گراں قدر تصنیف کے تعارف میں کسی بھی اہل علم اور صاحب قلم نے کوئی مضمون یا مقالہ قلم بند نہ کیا اور نہ ہی اس کی افادیت و اہمیت کو عام کرنے کی خاطر فارسی سے اردو میں اس کے کسی باب کو منتقل کیا۔

مشیت الٰہی جن علوم و معارف اور کتب و رسائل کو ایک عرصہ تک باقی رکھنا چاہتی ہے ان کو زمانہ کے بے رحم ہاتھوں سے محفوظ رکھتی ہے اور صدہا سال بعد کسی صاحب ہمت و عزیمت کے ذریعہ ان کو منصہ شہود پر جلوہ گر کر دیتی ہے ورنہ ان کے نام کتابوں کے صفحات کی زینت بنے ہی رہتے ہے، چوتھی صدی ہجری کے مشہور مورخ اور عالم و ادیب ابن الندیم کی الفہرست کے صفحات ان کی روشن مثال ہے کہ بکثرت کتب و رسائل اور علمی آثار کے ناموں سے ہی آج دنیا متعارف ہے ہندوستان میں ہی صرف تصوف و سلوک اور عرفان کے میدان میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں،

ممکن ہے آج نہیں تو کل یہ قیمتی جواہر پارے پردۂ خفا سے منصہ مشہود پر جلوہ گر ہو جائیں **انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون**، اللہ تعالیٰ کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کے ہونے کا ارادہ فرماتا ہے تو ہو جا فرماتا ہے اور وہ ہو جاتی ہے، شمائل

الاتقیاء کا دکنی زبان میں ترجمہ میراں یعقوب نے ۱۰۷۸ھ میں کیا تھا مگر اب یہ بھی دستیاب نہیں ہے۔

اس کتاب (شمائل الاتقیاء) کی تالیف کے دوران ہی حضرت غریبؒ نے ملک بقا کی طرف سفر فرمایا، فاضل مصنف نے ان کے وصال کے بیان کے بعد، شمائل الاتقیاء میں مندرج مضامین، حقائق و معارف، شریعت و طریقت اور حقیقت کے رموز و اسرار، مرشد برحق قدس سرہ کی فیض ورساں پاک صحبت سے فیوض و برکات کی ارزانی وغیرہ کے ذکر کے بعد اس محققانہ اور عالمانہ تالیف کے مصادر و مراجع اور مآخذ کا ذکر کرتے ہیں، ان مآخذ کی طویل اور مضبوط فہرست ہے جہاں حضرت مؤلف موصوف کے علمی تبحر، تحقیق، وقت نظر اور کثرت مطالعہ کا علم ہوتا ہے وہیں، اس دور کے علمی و تحقیقی رویوں اور ان تمام کتب و رسائل کی دولت آباد اور خلد آباد میں موجودگی کا بھی پتہ چلتا ہے، شمائل الاتقیاء اس دور کی تصنیفات و تالیفات کے درمیان اپنی منفرد شان اور شناخت کی بھی حامل ہے۔

وقت کی تنگی کے سبب کتاب کے مطالب و مضامین وغیرہ کا مختصر جائزہ پیش کیا جارہا ہے،

شمائل الاتقیاء کی زبان عالمانہ و منشیانہ ہے، دیباچہ میں فرماتے ہیں

دراثناء تالیف اس رسالہ خدمت شیخ صاحب فراش شد و روح مقدس آں بہ مقرب حق ممتدعی قربت **ارجعی الی ربک راضیة مرضیة**، استدعا کرد و مبشر وصلت الموت جراوصل الجیب الی اجیب مستبشر گردایند، مولف راست

حامی خلق بود بہ دنیا و آخرت ارواح و اولیا و ملک راقاب شد
اینجا غریب بود چوحق خواند سوئے خویش در عزم بہر تربت ایزدشاب شد

ایں ضعیف مودتے مدید عمر عزیز بہ مطالعہ رسائل سالکاں مدقق و مناظرہ کتب عاشقان برحق بہ مصرف می رسایند وحیات ہینہ یہ مصاحبت عارفاں و بہ موانست محققاں بسرمی بردوقرین یک قرن عزائب و دقائق علم طریقت رابہ ظاہرو باطن حاوی می شدو عہدے طویل عجائب وحقائق اسرار حقیقت بسرد.........

اعنی پیرومربی شیخ ومنبی خودسماع شدہ است درین رسالہ مکتوب ومسطورکند تاسیاحان بیدائرطریقت وسباحان دریاے حقیقت وطالبان وہائب محبت وعشق ربانی وخاطبان عرائش معرفت و قرب یزدانی ومتعطشان آب حیات سکرومحوومتحسنان نعمت انس ومحورابہ تتبع وتفحص ومناظرہ و مطالعہ چنداں رسائل وکتب مطول احتیاجے وافتقارے واضطرارے روئے نہ دہد،مولف راست

ہمہ جواہر علم ظواہر ناموت ہمہ لاتی اسرار عالم ملکوت
ہمہ لطائف سر و عجائب وہبی بسے سرائر اوصاف غیبی و جبروت
شدہ است درج دریں درج معرفت یکجا کہ تاآسماں یابند قربت لاہوت

کتاب کی ہر ہر سطر اس کے فاضل مولف کی تحقیق وجستجو اورخرم واحتیاط کی گواہ ہے، مستند تفاسیر، احادیث نبویہ، مثل سلمی، قشیری، کشاف زنجانی، مجاہد، حریری، مشارق، الانوار، مصابیح، جامع الوصول، شیخ ابو طالب مکی، امام غزالی، عین القضاۃ ہمدانی وغیرہ کے حوالوں کے ساتھ خلفاء راشدین، حضرت عبداللہ بن عباس، ابوہریرہ، امام جعفر صادق حضرت اویس قرنی جیسی

مستند اور، مسند الیہ شخصیات کے اقوال پیش کئے ہیں۔

خداوند تعالیٰ کی ذات وصفات کے بیان میں جیسے علم الٰہی کہتے ہیں انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کی فقہ اکبر، معالم امام فخر الدین رازی، صحایف بدایہ نیشا پوری، اصول الصفاء، عقائد نسفی، تمہید ابو شکور شیخ شہاب الدین سہروردی، فقہ واصول فقہ نیز فتاوی اور انبیا علیہم السلام کے اقوال کے بیان ہے وہ مستند کتابوں ،مسند امام احمد بن حنبل، کنز الدقائق، فقیہہ ابو اللیث سمرقندی، جامع الصغیر، وجیز، خزائنۃ الفقہہ، عمدۃ الفقہہ، شرح تعرف، اصول شاشی، اصول حسامی، اصول بزدوی، فتاویٰ کبریٰ، فتاویٰ صحت، فتاویٰ تیسیر، کفایہ، بدایہ اصابونی جیسی اہم تخلیقات سے استفادہ کرتے اور محاکمہ فرماتے ہیں۔

جب ان کا اشہب قلم طریقت وحقیقت کے بیان میں رواں ہوتا ہے تو وہ اکابر صوفیہ، مشائخ عظام اور علماء راسخون کے کتب و رسائل سر النبی در عالم جمال و جلال وخواص وتاثیر عصمت الانبیاء، حلیۃ الاولیاء، وحی اسرار امام جعفر صادق، قوت القلوب، ختم الولایت، تعرفان العارفین، عوارف المعارف، کشف المحجوب، کیمیائے سعادت، ترجمہ قشیری، تذکرۃ الاصفیاء، المقصد الاسنی، کنوز الجواہر امام غزالی، تذکرہ الاولیا شیخ عطار، تمہیدات، تنزیہہ المکان، جاوید نامہ ،رشد نامہ، زبدۃ الحقایق (پانچوں عین القضاۃ ہمدانی کی ہے) انیس الارواح، دلیل العارفین، فوائد السالکین، راحت القلوب، اسرار المتحرین، فوائد الفواد، نفائس الانفاس، عمدۃ الاسرار، کشف الاسرار، اسرار الابرار (سلطان ابو سعید ابو الخیر) قوام العقاید، مجمع الحقائق، معارف مولانا روم جیسی تحریروں سے حقائق ومعارف اور رموز ونکات کو طشت از بام فرماتے ہیں۔

انہوں نے کتاب مذکور کے نام کے تعین کے سلسلہ میں بکثرت مقتدین ومتاخرین کے مختصر وطویر رسائل وکتب کو اپنی اساس بنایا،ان میں مناجات لطف جلال و جمال،مناجات حضرت موسیٰ بہ تقریر حضرت خضر،رسالہ خواجہ بایزید بسطامی،رسالہ غوث الاعظم،رسالہ امام غزالی سر اللہ،رسائل خواجہ عبداللہ خفیف،خواجہ ابراہیم ادہم،خواجہ ہبیرہ بصری،خواجہ ممشاد،جنید بغدادی، ابوبکر شبلی،خواجہ معروف کرخی،شیخ برکہ،عین القضاء ہمدانی،حسین بن منصور حلاج،خواجہ عبداللہ انصاری،شیخ جبرئیل،شرف الدین علی قلندر،خواجہ شمس الدین،محی الدین ابن عربی،مولانا قطب الدین،خواجہ غریب برہان الحق والدینؒ،حمیدی سعیدی،نخشبی وغیرہم ہیں۔

اس کے بعد پچاسوں سے زائد مشائخ کرام اور اکابر صوفیاء صاحب باطن اور محققین کے اقوال جا بجا سے حوالہ جات بطور سند رقم اکابر ہے،ان میں حضرت خضر،فضیل بن عیاض، بایزید بسطامی،جنید بغدادی شبلی،مشائخ چشت،پیر ہرات،ابن عطاء خواجہ احمد معشوق،شیخ علی جرجانی،خواجہ عبداللہ مطری خازن گنجنیہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پھر فرماتے ہیں کہ یہ کتاب متقیوں اور پرہیزگاروں کے عادات واطوار،خصائل وخصائص کے تذکرہ پر مشتمل یہ چار اقسام اور ان کے ضمن میں اکیانوے بیانات پر مشتمل ہے۔

امیدوارم تا ایں شمائل مقبول بود قبول قلوب ہمہ عوام وخواص

چون نزد حق ہمہ قبول ہست خواہش شیخ شدہ قبول بہ برہان قول خاص الخاص

تقوی کے لغوی معنیٰ اور شمائل الاتقیاء کے وصفی معنیٰ،توبہ واستغفار اور خداوند تعالیٰ کی جانب رجوع کی فضیلیں،ناپسندیدہ وپسندیدہ اعمال،رشد وہدایت اور رہبری کا مقام ومرتبہ شیخی

کے مقامات و اوصاف اور عادات و اطوار، خلافت کے معنیٰ، اس کا شرعی حقیقی و مجازی خلافت کا اثبات، خداوند تعالیٰ کی ولایت و دوستی، پیغمبروں کے معجزات اولیاء کی کرامات دونوں کا فرق، مردوں اور عورتوں کی بیعت، اسکی شرائط، اہمیت و ناگزیری، شیخ و حضرت حق تعالیٰ کے تئیں مرید کے آداب، خوف خدا، تصوف کی فضیلیں صوفیہ کے فضائل، فقرا کے اوصاف، تصوف و صوفی کی تعریف، صاحباں شریعت و حقیقت کی نمازیں اور عبادات، کلام مجید کی تلاوت کی فضیلت، اس کے معانی و مطالب اور لطایف و غرائب، صاحبان عشق و محبت اور معرفت و قربت کے قبلہ و کعبہ اور حج کی شناخت و فضائل۔

صاحبان طریقت و حقیقت کے روزوں کی فضیلت، ان کے علوم لے لطایف، متقی اور غیر متقی علما کے اطوار و عادات، خصائل، شریعت، طریقت، حقیقت و معرفت کے درمیان فرق اور ان کے مقام و مرتبہ اور غرائب و لطائف کا بیان۔

عالم ناسوت، ملکوت، جبروت، لاہوت کی تشریح اور مقامات، اسرار و رموز محبت و معرفت قرب و وصل الٰہی کے طالبین کا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مقدسہ، اعمال و افعال کی مکمل پیروی، نفس کا محاسبہ اس کے سائم معاملت، ناسوتی سلوک یعنی سیران و طیران اور ملکی و جسمانی سلوک، ظاہری و باطنی اسفار ان کے لطائف و عجائب، تنہائی گوشہ نشینی کے فضائل و برکات، صحبت کے فوائد و نقصانات، تجربہ و تفرید کے فضائل ان کے معانی، دنیا کی حقیقت و کیفیت، خاموشی اور کم بولنے کی فضیلت، نیند کی قسمیں، اس کے لطائف و غرائب، خطرات و ہواجس کے معانی اور ان کی حقیقت، ان کو دور کرنے کے فوائد، خطرہ اور خواطر کا فرق

، ہشیاری و بے ہوشی ،قبض و بسط ،عبادت وعبودیت اور عبدیت وحریت کے مابین فرق، صدق وصفا،خلوص ،جودوسخاوکرم اور بخشش وعطاکی فضیلت ،ایثاروانفاق کے درمیان فرق۔

خدائے تعالیٰ سے اس کے قہر ولطف کے اثر سے خوف و امید ،علم الیقین ،عین الیقین اورحق الیقین کے حقائق ووثائق ،موت وزندگی اورسالکوں اور عارفین کے ظاہر و باطن کی فناو بقاکے فضائل ،بندگان خداپرحضرت حق تعالیٰ کی غیرت اورحق کے واسطے ان کی غیرت ،دعاکی تاثر اس کی قبولیت کے شرائط ،نعمتوں پرشکر کے فضائل ،خوشنودی ورضائے الٰہی کے فضائل اوران کی حقیقت ،دنیاوآخرت کے تمام معاملات وثابت قدمی کے فضائل۔

صاحبان حقیقت انبیاء اورمخصوص ترین اولیاء کے احوال ،تلوین وتمکین کے حقائق، مومن اورمسلم میں فرق ،کفر کے اقسام ،نفس انسانی کی مختلف اقسام ،ان کی شناخت ،تزکیہ کاطریقہ، دل کی کیفیات، حقیقت اوصاف ،پہچان ،بیماریاں ،علاج ومعالجہ اورصاحبان دل کے شمائل و اطوار ،غوروفکر کے لطائف ،مراقبہ ،حضوری اورغیبت کاذکر ،دل اورروح کے درمیان سِر کے اسرار اوردقائق کابیان ،روح کی قسمیں ،اسکی ماہیت واوصاف ،عقل کی قسمیں ،عقلی ،نظری شہودی سلبی وثبوتی اورذاتی علم معرفت کی اقسام ،حضوراکرام صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس زکیہ کے تخلیق کرنے کی معرفت ،نفی واثبات کاعلم ،توحید ،اتحاد کی قسمیں ،احد ،واحد ،احدیت وواحدیت کے درمیان فرق عظیم ،اس علم عظیم کے لطائف وغرائب ،صیل مودت ، ولہ اورمحبت کے معانی لطایف وغرائب عشق کی اقسام ،عشاق کے شمائل وعادات ،معشوق حقیقی کی ان کے ساتع معاملات،اوراس کے آثاروعلامات۔

گانے کے معنی، اچھی آواز کی فضیلت، حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی بہ شاعری وغزل کی اباحت اور جواز، سماع کی کیفیت، اسکے شرائط، وجد وجود وتواجد اور حال کا بیان، رقص کا جواز، دف، بانسری، مزمار اور دوسرے آلات سماع کیفیت میں کپڑے پھاڑنے کا ذکر، جلال و جمال کے رموز و اسرار، روح قدسی و روحانی اور رحمانی کی تجلیات اور ان کے تذکرے، تلوین انوار اور اس کی قسمیں، حجابات اس کی مختلف اقسام، ظاہری، باطنی، دنیاوی، اخروی، زمانی ومکانی اور عند غیبی وظلمانی ونورانی حجابات کی پہچان، استغراق اور عالم حیرت کا بیان،

حضرت حق تعالیٰ کے انوار وصفات انسیت وموانست کے لطائف، صفات باری سے وصال ووصول اور اس کے انوار سے انصال کے معانی اور واصلان کے شمائل کا ذکر بندہ کے ساتھ حضرت حق کی معیت اور اس کی معیت حضرت حق کے ساتھ، اس کے اسرار و رموز مثل، مثال، تمثیل، تماثیل کے معنی اور تمثل کے اسرار، ملاقات و دیدار کے معانی۔

حضرت حق تعالیٰ کی بے کیف وکم ذات کے اوصاف، ازل و آزال، ابد و آباد اور عالم امر کے دیگر لطایف وغرائب کا بیان،

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودی اور ذاتی اوصاف و کمالات، آپ کی بزرگی، دبدبہ شان و الاتبار کا مختصر بیان، عنصر محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس انوار کا تنوع حضرت حق تعالیٰ کے امت محمد کے سلسلہ میں عنایات اور الطاف و کرم نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کے اوصاف و کمالات کا تذکرہ۔

قسم چہارم: حضرت آدم کی تخلیق ان کے اوصاف اور اولاد آدم کے فضائل نیز گناہ گار بندوں کے سلسلہ میں حضرت غفار و رحمن کی بے پناہ عنایتوں کا بیان ، انسان کا مرتبہ و مقام نہایت بخشنے والے رحم فرمانے والے اور بندوں کے عیبوں کی پردہ پوشی فرمانے والے خداوند تعالیٰ کی بے سبب عنایت و کرم کی گناہ گاروں کو امیدوں کے سلسلہ میں موثر بیان ہے،

معزز سامعین اور حاضرین جلسہ:

شمائل الاتقیاء کے مضامین سے اس کتاب کی اہمیت، انفرادیت کہ اس میں کیا کچھ نہیں ہے اور افادیت کا اندازہ ہوا ہوگا، کتاب کا ایک ایک بیان اور اس کی تشریح و وضاحت تفصیلی گفتگو کی متقاضی ہے۔

داماں نظر تنگ گل حسنِ توبسیار گلچین بہار تو زداماں گلہ دارد

حضرات گرامی ہم آپ اس وقت ذکر و تذکرہ کی محفل میں ہیں اس لئے شمائل الاتقیاء کا ایک مختصر پراگراف ذکر کے فضائل میں سن لیجئے۔

قرآن مجید میں ہے **وذکر و اللہ کثیرا لعلکم تفلحون** (سورۃ الانفال آیۃ ۴۵) اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرتے رہا کرو تاکہ تم کامیاب و بامراد ہو، حدیث شریف میں ہے کہ تم مفردین کے پیشواؤں کی خدمت میں حاضر ہوا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ مفردین کون؟ فرمایا، وہ ہیں جو اللہ کے ذکر سے ہمیشہ خوش وخرم رہتے ہیں اسکی برکت سے ان کے گناہ ہلکے کردیئے جائیں گے اور وہ قیامت کے روز بالکل ہی ہلکے پھلکے حاضر ہوں گے، امام قشیری نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ

نے کسی امت کو وہ نہ عطا فرمایا جو آپ کی امت کو عطا فرمایا، آپؐ نے فرمایا وہ کیا؟ عرض کیا **فاذکرونی اذکرکم**، تم میرا ذکر کرو (یاد کرو) میں تمہارا ذکر کروں گا، ذکر کے بڑے فوائد ہیں ایک تو جس کسی کے دل و جان پر ذکر اللہ ھو کا غلبہ ہو جاتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ کی موانست اور ہمنشینی کی دولت میسر ہو جاتی ہے، **انا جلیس من ذکرنی**، جو میرا ذکر کرتا ہے مجھے یاد کرتا ہے میں اس کا ساتھی اور ہم نشین ہوں۔

جب ذکر کرنے والا حقیقت ذکر تک پہنچ جاتا ہے تو حالت ذکر میں اس کے ہونٹوں میں شہد سے زیادہ مٹھاس پیدا ہو جاتی اور جب وہ ذکر الٰہی سے جو خاصّہ دل ہے ذکر روح یعنی روح تک پہنچتا ہے تو وہ اپنی ہستی اور وجود کھو بیٹھتا ہے اور اسی کو عالم فنا کہتے ہے، اس کی کوئی بھی حرکت و عمل نفسانی یا جسمانی نہیں رہتی بلکہ سب ربانی ہو جاتی ہیں، کونوا ربانین (ربانی ہو جاؤ) سورہ آل عمران ۷۹، سے یہی مراد ہے، اور پھر اپنے سے فانی اور خدا سے باقی ہو جاؤ۔

گفتہ اور گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود
مطلق آن آواز خود ازشہ بود گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

ہدایۃ القلوب دکن کا ایک اہم ملفوظ

ڈاکٹر شبیب انور علوی

اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ فارسی

لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ

دکن میں فارسی زبان وادب کی ترویج کی ایک مضبوط اور محکم روایت موجود ہے۔ آٹھویں صدی ہجری کی ابتدا سے ہی دکن میں صوفیا کی باقاعدہ آمد کا آغاز ہوا سب سے پہلے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مشہور بزرگ شیخ منتجب الدین زرزری زر بخش اپنے مرشد حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا کے حکم پر 700 ہجری/ مطابق 1300 عیسوی کے قریب اپنے چند برادران طریقت مثل حضرت صدر الدین بھکری، حضرت فخر الدین بھکری، حضرت بدر الدین نولکھا اور اپنے استاذ سید کبیر صاحب وغیرہ کے ہمراہ دیوگیر (دولت آباد) دکن تشریف لائے اور کچھ عرصے بعد 709 ہجری/ 1309 عیسوی وفات پائی اور اسی مقام پر دفن ہوئے۔

کچھ سالوں کے بعد 728 ہجری/ 1327 عیسوی میں بادشاہ وقت محمد بن تغلق نے حکم بالجبر صادر کرتے ہوئے ہندوستان کے دارالسلطنت کو دہلی سے دولت آباد میں تبدیل کر دیا اور اہل دہلی پر دولت آباد منتقل ہونے کے لئے ظلم کرنا شروع کیا اور دہلی کا ماحول ناساز گار اور ناگوار ہو گیا۔ حضرت محبوب الٰہی نے ایسے نازک وقت کو دیکھتے ہوئے اپنے خلفا اور مریدین کی ایک بڑی جماعت کو دکن کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ ان مہاجرین میں

حضرت خواجہ برہان الدین غریب، حضرت امیر حسن علا سجزی، حضرت فخر الدین زرادی اور حضرت فرید الدین ادیب وغیرہ وغیرہ کے نام مشہور و معروف ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، حضرت میراں جی شمس العشاق، حضرت شیخ برہان الدین جانم اور حضرت امین الدین اعلیٰ کے ناموں کا بھی اس فہرست میں اضافہ ہوا اور ان کے علاوہ بھی بہت سے صوفیان باصفا اور خاصان خدا اور ان کے باکمال خلفا روحانی تعلیم و تربیت اور سلسلہ کی اشاعت کرتے رہے۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ بعض محققین کے نزدیک حضرت شیخ زرزری زر بخش کی آمد سے قبل بھی صوفیا کی ایک جماعت اس خطہ کو اپنا مسکن بنا چکی تھی۔

اگرچہ دولت آباد کے صدر مقام نہ ہونے اور چند دوسری وجوہات کی بنا پر محمد بن تغلق کو ۱۳۴۴ء میں مجبوراً دارالسلطنت دوبارہ دہلی منتقل کرنا پڑا مگر یہ حضرات ہمیشہ کے لئے اس خطہ کو اپنی قیام گاہ قرار دے چکے تھے۔

حضرت شیخ زرزری زر بخش کی وفات کے کچھ عرصے کے بعد جب حضرت کا روضہ تعمیر ہوا تو اس غیر آباد پہاڑی علاقے نے روضہ کے نام سے شہرت پائی اس سے قبل یہ علاقہ دیوگیر کے راجاوں کے زیر حکومت تھا۔

جب شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے 28 ذی قعدہ 1118 ہجری/ 3 مارچ 1707 عیسوی کو احمد نگر میں وفات پائی تو یہ وصیت کی کہ این عاصی غریق معاصی را تلحیف و تفریش بجوار تربت مطہرہ و مقدسہ چشتیہ سلام اللہ علیہ کہ مغرقان بحر عصیان را بجز التجا بآن آن درگاہ غفران پناہ پناہے نیست - مصالح این سعادت عظمی نزد فرزند ارجمند عالیجاہ است (اس گنہگار

غریق معاصی کو تربت مقدسہ مطہرہ چشتیہ (حضرت شیخ زین الدین داود حسین شیرازی) سلام اللہ علیہ کے قریب دفن کریں اس لئے کہ اس گناہ کے دریاوں میں ڈوبے ہوئے کو اُس غفران پناہ کی درگاہ کے سایہ کی التجا کرنے کے سوا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ اور اس سعادت عظمیٰ کو بادشاہ عالیجاہ کے فرزند ارجمند حاصل کرسکتے ہیں۔

چنانچہ اس وصیت کے مطابق شاہزادہ اعظم شاہ تجہیز و تکفین کے بعد نعش لے کر روضہ کی سمت روانہ ہوئے اور چند روز کے بعد وہاں تدفین عمل میں آئی۔ سال بھر کے بعد خود شاہزادے کو بھی وہیں دفن کیا گیا۔ چونکہ بادشاہ کا لقب خلد آشیانی ہو چکا تھا لہذا اسی مناسبت سے روضہ کا نام بدل کر خلد آباد ہو گیا۔

حضرت خواجہ برہان الدین غریب کے بہت سے خلفا ہوئے جن کے ذریعہ دکن میں چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی صدیوں تک نشر و اشاعت ہوتی رہی اور اب بھی جاری ہے۔ ان میں ان کے سب سے اہم خلیفہ و جانشین صاحب ملفوظ ہٰذا (ہدایۃ القلوب) حضرت سید داود حسین ملقب بہ زین الدین شیرازی تھے۔

حضرت سید داود حسین ملقب بہ زین الدین صاحب 701 ہجری مطابق 1301 عیسوی میں ایران کے مشہور شہر شیراز میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد خواجہ حسین اور چچا خواجہ عمر سید محمود شیرازی ابن سید محمد روز بہان کے صاحبزادے تھے۔ سات برس کی عمر میں والدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ لہذا والد نے ہی تعلیم و تربیت فرمائی۔ صغر سنی میں توفیق الٰہی مولانا نصیر الدین اور مولانا شہاب الدین کے ہمراہ حج بیت اللہ شریف کے ارادے سے ملک عرب

پہونچے اور زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہونے کے بعد کچھ عرصے وہاں مقیم رہے۔ اتفاقات زمانہ سے کچھ عرصے بعد عرب سے ہجرت کر کے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے اور دارالسلطنت دہلی میں قیام کیا اور تحصیل علوم ظاہری میں مشغول ہوئے۔ اولاً قرآن مجید حفظ کیا بعدہ مولانا کمال الدین سامانہ اور دوسرے جید علماء ہندوستان سے اکتسابِ علم کیا اور سند فراغ حاصل کی۔ اور دہلی میں ہی درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد سلطان محمد تغلق نے دہلی والوں کو دیوگیر یعنی دولت آباد روانہ کیا چنانچہ حضرت زین الدین شیرازی بھی اپنے استاد مولانا کمال الدین سامانہ اور دیگر علما کے ہمراہ دولت آباد گئے اور وہاں ایک مسجد میں فروکش ہوئے اور نئے سرے سے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ بہت کم مدت میں ان کے علم و فضل کا چرچا زبان زد خاص و عام ہو گیا اور دور دراز سے بکثرت علما و طلبا ان سے استفادہ کی خاطر آنے لگے۔ حضرت زین الدین شیرازی تفسیر، حدیث اور فقہ کی تدریس بھی کرتے اور وعظ بھی کہتے۔ مگر صوفیا سے بالکل اعتقاد نہ رکھتے تھے۔ بلکہ حضرت غریب اور دیگر صوفیا کے سماع و جدو حال پر سخت تنقید کرتے رہتے تھے۔ جب حضرت غریب کی ولایت اور عظمت کا شہرہ ہوا تو ان کے بعض شاگرد بھی حضرت غریب کے جماعت خانے میں جانے لگے جب ان کو یہ بات معلوم ہوئی تو اپنے شاگردوں پر سخت ناراض ہوئے اور کہا کہ جو کچھ تم نے پڑھا سب برباد کر دیا ناچنے گانے والوں کی صحبت میں جاتے ہو لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ (ہدایت القلوب میں اس واقعہ کی تفصیل یوں درج ہے) چنانچہ ایک دن حضرت غریب کے یہاں ایک مرید (یہ مرید حضرت خواجہ رکن الدین کاشانی صاحب نفائس

الانفاس تھے) جو حضرت زین الدین شیرازی کا شاگرد بھی تھا ان سے مشکوۃ المصابیح پڑھنے آیا اور درس کے بعد حضرت غریب کے یہاں محفل سماع میں شریک ہو گیا شیخ کی توجہ سے اس کو نہایت درجہ وجد و حال کی کیفیت طاری ہوئی جب یہ واقعہ مشہور ہوا اور حضرت زین الدین صاحب کو خبر پہونچی تو ان کی بہت غصہ آیا اور اگلے دن اس شاگرد کو بلا کر بہت سے علما و فضلا کی موجودگی میں بہت ڈانٹا اور پھر یہ سوال کیا کہ علم و فضیلت اور دانشمندی میں ہی بہتر ہوں یا تیرا پیر؟ شاگرد بے چارہ پہلے تو خاموش رہا پھر دوبارہ پوچھنے پر ڈرتے جواب دیا کہ میں تو آپ کا ادنیٰ شاگرد ہوں میری کیا مجال ہے جو آپ دونوں کی فضیلت سمجھ سکوں اور ایک کو دوسرے پر افضل جانوں یہ سن کر حضرت زین الدین کو غصہ آگیا اور انہوں نے کہا افسوس تو میرا شاگرد ہونے کے باوجود سچ نہیں بولتا خدائی قسم جب تک تو سچ نہ کہے گا میں تجھے چھوڑوں گا نہیں جب شاگرد نے دیکھا کہ سچ کہے بغیر خلاصی ممکن نہیں تو مجبوراً کہا کہ اگرچہ علوم ظاہری میں آپ کی فضیلت زیادہ ہے لیکن حضرت شیخ غریب کو حضرت محبوب الٰہی اور دوسرے مرشدان سلسلہ سے جو علم باطنی عطا ہوا ہے اس کی گرد بھی آپ کے دامن تک نہیں پہونچی ہے ۔ یہ سنکر وہ اور زیادہ غیض و غضب میں آگئے اور اپنے حجرے کے اندر جا کر چار ورق کاغذ نکال کر لائے جس پر دونوں سمت وہ مشکل اور لاینحل سوالات درج تھے جن کو وہ اپنی پوری زندگی میں حل نہ کر سکتے تھے اور اس کے جوابات سے علما و فضلا وقت عاجز آچکے تھے شاگرد کو دیکر کہا کہ اگر تیرا پیر علوم ظاہری اور باطنی میں واقعی کامل ہے تو ان سوالات کو حل کرالا اور میں جواب دینے کے لئے چھ مہینے کا وقت دیتا ہوا اگر اس مدت میں تیرے پیر نے جوابات دیدئے تو وہ افضل ہے ورنہ

میں تجھ کو ایسی سزا دوں گا کہ کبھی علما کی مجلس میں ایسی بیہودہ باتیں زبان پر نہ لا سکے گا۔شاگرد نے اد باًوہ نوشۂ اوراق کے لئے اور شیخ کے گھر کی طرف روانہ ہوا راستہ میں سوچتا جاتا کہ اگر میں ان کے پاس پڑھنے نہ جاتا تو یہ مصیبت نہ آتی ۔اسی خیال میں ڈوبا ہوا شیخ کے سامنے پہونچ گیا جیسے ہی ان کی نظر اس پر پڑی فرمایا جلد آئیں بہت دیر سے تیرا منتظر ہوں اور یہ کہہ کر ان سوالات کے جوابات جو پہلے سے ہی لکھے رکھے تھے اس کو دیکر فرمایا یہ لیجا کر مولانا داود حسین کو دے آ اور بعد سلام کے کہنا کہ یہ آپ کے سوالوں کے جواب ہیں جیسے ہی وہ شاگردان جوابات کو لیکر پہونچا اور حضرت زین الدین نے ان کا بغور مطالعہ کیا ان پر رقت طاری ہوگئی اور اسی وقت اپنے شاگردوں کو لیکر حضرت غریب کے مکان پہونچے جیسے ہی ان پر نظر پڑی دوڑ کر آئے قدموں پر سر رکھ دیا۔حضرت غریب نے فوراً کہا ارے داود حسین یہ رسم شریعت میں جائز نہیں سید صاحب نے عرض کیا کہ جب تک میں اس رسم کو ناجائز سمجھتا رہا محبت اور نعمت باطنی سے محروم رہا لیکن اب نہیں اور اسی وقت حضرت غریب کے ہاتھ پر بیعت کی اور رفتہ رفتہ ان کی خدمت میں رہ کر اجازت وخلافت حاصل کی اور اس کے کچھ ہی عرصے بعد حضرت غریب نے وفات پائی اور حضرت زین الدین ان کے جانشین ہوئے۔حضرت زین الدین اپنے پیرو مرشد کے بعد تقریباً پینتیس سال مسند ارشاد و تلقین پر فائز رہے اور آخر 25 ربیع الاول 771 ھجری کو عصر کی نماز میں سجدے کی حالت میں وفات پائی اور اپنے بزرگوں کے جوار میں دفن ہوئے۔

حضرت زین الدین شیرازی نے کسی کو اپنا خلیفہ و جانشین نہیں بنایا بلکہ حالت مرض

میں کچھ مخصوص مریدین اور محرم راز خادموں سے ارشاد فرمایا کہ میں خلافت کی اہلیت اور لیاقت کسی میں نہیں پاتا۔

ہدایت القلوب کا جو نسخہ راقم الحروف کو حاصل ہوا تھا وہ 17 سطری 335 صفحات پر مشتمل ہے اور کبھی محترم و مرحوم پروفیسر نثار احمد فاروقی صاحب کے زیر مطالعہ رہ چکا ہے چوں کہ نسخہ اغلاط سے پر تھا لہذا انہوں نے ترجمہ کا خیال ملتوی کر دیا تھا لیکن راقم کو الحمدللہ اس کے مزید دو نسخے حاصل ہو گئے ہیں جس سے یہ کام آسان لگنے لگا ہے ابتدا اس طرح ہے۔

"الحمد لله الذی هدانا لهذا وما کنا لنهتدی لولا أن هدانا الله لقد جائت رسلنا بالحق والصلوة والسلام علی رسولناونبینا وشفیعنا محمد مصطفی وعلی اله الکرام واصحابه العظام رحمت الله ذی الانعام وبکرمه ذی الجلال والاکرام اما بعد: ایں ہدایت القلوب و عنایت علام الغیوب از الفاظ در بار گوہر نثار شیخ زین الحق والشرع والدین داود حسین شیرازی متع اللہ المسلمین بطول بقابر انداز وفہم سقیم وعبارت نا مستقیم خویش کردہ آید تا جمیع خیر مدد کنند و نام این مجموعہ باشارت شیخ الاسلام ہدایت القلوب کردہ آمد"۔

خاتمہ میں یہ عبارت ہے"شب در سبعین وسبعماہ بعد از چند روز برائے لبا ئچہ دوز ایندن باذن بندگی مخدوم در دیوگیر رفتہ بودم دو شب ماندم سیوم وقت مائدہ نظر کردند فرمودند کجا بودی گفتم برحکم واجازت در دیوگیر رفتہ بودم و دو شب از سبب دوازیندن لبا یچہ تاخیر شد بکرم فرمودند دوسب از جہت تو بود نزدیک من بسیار بودمن منتظر بودم بعد از ہفت ماہ نقل کردند و بحق

پیوستند بعدہ معلوم شد کہ ہمہ دعا با بود واللہ اعلم بالصواب تمام این کتاب ہدایت القلوب از زبان دربارگوہر نثار بندگی مخدوم حضرت خواجہ شیخ المشائخ سید شاہ زین الدین داود حسین شیرازی قدس اللہ سرہ العزیز۔

حضرت زین الدین شیرازی کے اقوال و ارشادات نہایت عمدہ اور بلند پایہ ہیں فرمایا نصیحت تین طرح کی ہوتی ہے۔نصیحت فضیحت ،خصومت ۔اگر تنہائی میں کی جائے تو نصیحت یعنی اس کی خیر خواہی ہے۔برملا یعنی کسی غیر کی موجودگی میں کی جائے تو فضیحت (یعنی رسوا کرنا اور اس کے عیب کسی دوسرے پر ظاہر کرنا ہے) ہے اور اگر صریحا (سب کے سامنے) کی جائے تو خصومت یعنی دشمنی کرتا ہے

عبادت کے بارے میں بات نکلی تو فرمایا کہ ایک بار حضرت عیسی علیہ السلام کسی صحرا میں جارہے تھے وہاں ایک شخص کو سویا ہوا دیکھا اس سے کہا اٹھ خدا کی عبادت کر اس نے کہا رہنے دیجئے میں نے اس کی سب سے اچھی عبادت کرلی ہے حضرت عیسی نے پوچھا وہ کون سی ہے؟اس نے کہا میں نے دنیا کو دنیا داروں کے لئے چھوڑ دیا ہے حضرت عیسی نے فرمایا بس سوئے رہو۔تمہارا اس حال میں سونا بھی دوسروں کی عبادت سے اچھا ہے پھر حضرت زین الدین نے یہ شعر پڑھا۔

گرد او گردو پادشاہی کن　　　　زان او باش وہرچہ خواہی کن

(تم اس کے گرد رہو یعنی بادشاہ کی قربت اختیار کرلو اور بادشاہت کرو اس کے بن جاو پھر جو چاہے کرو)

شیخ کی صحبت اور اس کی تصرف کی مثال یوں بیان فرمائی کہ شہتوت کا وہ مادہ جو ریشم سے بنتا ہے پہلے کپڑے کے منہ میں آتا ہے اور وہ اس کو آہستہ آہستہ ریشم میں تبدیل کر دیتا ہے لیکن دیکھنا چاہیے کہ وہی پتے کھا کر بکری سوا میگنی کے اور کیا دے سکتی ہے پھر فرمایا کہ مرید کے لئے شیخ کی صحبت کرم پیلہ (ریشم کا کیڑا) کے منھ کی طرح ہے اور مرید کے معاملات میں شیخ کا تصرف اسی عمل جیسا ہے (کہ وہ اس سے ریشم نکال لیتا ہے) اور دنیا داروں کی صحبت بکری کے منھ کی طرح اگر اس میں جائیگا تو مینگنی ہی بنے گا۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ کسی نے بیعت کی اور مرید ہونے کے بعد پیر کو راہ باطل (غلط راستے پر) پایا تو وہ مرید دوسرے سے بیعت کر سکتا ہے یا نہیں جواب دیا کہ اس کو فرض ہے کہ دوسرے سے بیعت کرے جیسے کوئی شخص کسی سمت نماز پڑھتا ہے جب اس کو معلوم ہوا کہ قبلہ دوسری طرف ہے تو اس طرف نماز پڑھنی جائز نہیں 14 شعبان 755 ھجری کو دیوگیر (دولت آباد) میں یہ بندہ کمینہ حاضر خدمت ہوا تو عنایت حق کی بات نکلی میں نے عرض کیا کہ کیا جب تک سالک لوگوں کا مردود نہ ہو جائے اسے **اَلْیَاسُ مِنَ النَّاسِ** (لوگوں سے ناامیدی) کا مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا فرمایا ضروری نہیں اللہ تعالیٰ کا فضل ایسی چیز نہیں جو لوگوں کے رد کرنے یا قبول کرنے سے تعلق رکھتا ہو یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اللہ کے نزدیک بھی مقبول ہو اور مخلوق میں بھی۔ اللہ کی عنایت کسی خاص زمان و مکان سے تعلق نہیں رکھتی جب کسی پر اچانک وارد ہوتی ہے تو پلک جھپکتے میں انسان کو مردان خدا کے کمالات تک پہونچا دیتی ہے جیسے اصحاب کہف اور فرعون کے جادوگر اور راہ حق کی دو صورتیں ہیں ایک راہ بندے سے حق کی

طرف بھلائی ہے دوسری حق کی جانب سے بندے کی طرف آئی ہے جو راستہ بندے سے حق کی طرف جاتا ہے اس میں رکاوٹیں اور ہلاکت کی جگہیں اور اندیشے بے شمار ہیں جنہیں پار کئے بغیر مقصد تک نہیں پہونچ سکتے اور اس کے بعد رسائی نارسائی کا اعتبار نہیں ۔لیکن جو راستہ حق کی جانب سے بندے کی طرف ہے جب اس کی عنایت شامل حال ہوتی ہے بندہ پلک جھپکتے ہی اللہ سے واصل ہو جاتا ہے اسے ریاضت اور مجاہدے کی ضرورت نہیں پڑتی لیکن طالب کو چاہیے کہ پس وپیش میں نہ پڑے کہ کیا کروں اور کیسے کرون؟ اگر اس حالت میں رہے گا تو کچھ نہ کر سکے گا۔

تا یک نفسے نفس تو برخاست ہنوز بر درگہ دل زد یو غوغا است ہنوز
تا سود و زیان است در اندیشہ ٔتو عشقت ند بر دست کہ سود است ہنوز

(اگر تمہارا نفس ایک لمحہ کے لئے بھی سر اٹھاتا ہے تو سمجھ لو کہ ابھی دل کے اندر شیطانی ہنگامہ باقی ہے اور جب تک تم نفع نقصان کے بارے میں سوچ رہے ہو تو تمہیں عشق میسر نہیں ہوسکتا بلکہ یہ جو کچھ ہے وہ سودائے خام ہے)

رزق حلال اور توکل باخدا کے سلسلے میں ایک بار حضرت شیخ نے یہ حکایت بیان کی کہ حضرت فخر الدین رازی ماہر فلسفی اپنے زمانہ کے مشہور وحید عالم تھے ایک بار وہ بخارا کے علما سے ملنے بخارا پہونچے چند روز وہاں ٹھہرے مگر کوئی ان سے ملاقات کرنے نہ آیا انھوں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے؟ کسی نے بتایا کہ یہاں کے لوگ علما کے پاس نہیں جاتے انھوں نے کہا خیر میں خود ان سے ملنے کا انتظام کرتا ہوں چنانچہ ایک محفل کا انعقاد کیا گیا

جمعہ کے روز علماء اس میں جمع ہوئے اور ایک علمی مسلہ چھیڑ دیا مولانا فخرالدین رازی نے جواب دینا شروع کیا وہاں ایک شیخ تھے مولانا بدرالدین انہیں "شوم دخل" کہا جاتا تھا یعنی اعتراض بہت بھاری ہوتا تھا اس لیئے کہ ان کے اعتراض کی پکڑ سے بہ مشکل ہی کوئی نکل سکتا تھا۔ انھوں نے فخرالدین رازی کے جواب پر اعتراض کر دیا مولانا فخرالدین نے کچھ اور مقدمات پیش کئے انہوں نے دوسرے اعتراضات پیش کئے بات منطقی استدلال کے اصول میں جا پڑی یہاں تک کہ تقریباً سو دو سو مقدمات پر انہوں نے دو گنے اعتراضات پیش کر دیئے اور حضرت فخرالدین تھک کر عاجز ہو گئے اور کہنے لگے آج بحث بہت ہو چکی اب اگلے جمعہ دوسری مجلس میں جواب دوں گا دوسرے جمعہ کو پھر وہی سب علما جمع ہوئے اس دن پھر وہی حال ہوا مولانا جو بھی جواب دیتے شوم دخل اس کا توڑ کر دیتے جب بات حد سے زیادہ بڑھ گئی اور مولانا فخرالدین زچ ہو گئے تو وہاں سے اٹھ کر اپنی قیام گاہ واپس آ گئے جب شوم دخل نے دیکھا کہ ان کا پیچھا کرتے ہوئے ان کی قیام گاہ پہونچ گئے اور کہنے لگے جو مسئلہ پیش کیا گیا ہے اس کا جواب آپ کو دینا چاہیے مولانا نے کچھ اور جوابات پیش کیئے انہوں نے اس پر بھی اعتراضات کر دیئے جب حضرت فخرالدین رازی بالکل عاجز آ گئے تو اپنی دستار اور جبہ اتار کر ان کو دے دیا۔ انہوں نے کہا میں جبہ و دستار کیا کروں گا آپ جواب دیجئے یا لکھ کر دیجئے کہ میں شکست قبول کرتا ہوں ۔مجبوراً انہوں نے اعتراف شکست لکھ کر دیا اور بغداد روانہ ہوئے وہاں جا کر خلیفہ سے شکایت کی کہ بخارا کے عالموں نے میری تعظیم نہیں کی خلیفہ چوں کہ ان کا شاگرد تھا اس نے کہا دفتر لاؤ اور بخارا کے سب علما کی مدد معاش اور جاگیریں وغیرہ منسوخ کر

دو جب دفتر (رجسٹر) لائے گئے تو یہ دیکھا کہ وہاں کے کسی عالم کے نام کوئی وظیفہ یا جاگیر ہے ہی نہیں اب خلیفہ کہنے لگا آپ بتائیے اب کیا کروں۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ عالم تو اسے ہی ہوتے ہیں اور ایسے ہونے چاہیے یعنی ضرورت پڑنے پر بھی کس کی طرف التفات نہ کریں۔ جو شخص ایسا بن جاتا ہے اللہ تعالی اس کی روزی کا کفیل ہو جاتا ہے۔

ایک روز ارشاد فرمایا انبیا علیھم السلام طالبین خدا اور مومنین کی آزمائش سب سے سخت ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے **الم احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون الخ**۔ (الم۔ کیا لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ چھوڑ دیئے جائینگے اگر وہ کہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائیگا اور ہم نے ان سے پہلے بھی لوگوں کو جانچا پرکھا ہے اللہ ضرور جاننا چاہیگا کہ کون لوگ ایمان میں سچے ہیں اور کون جھوٹے ہیں)۔

لہذا جو زیادہ دانشمند اور ایمان میں قوی ہوگا وہ حق کے امتحان و آزمائش میں زیادہ راضی رہے گا پھر حضرت نے یہ اشعار پڑھے

ارّہ بہ تارک ذکریا فرو نہیم یحیٰ کشیم و دم نزند در بلائے ما
مداح ماست یوسف مصری بہ قعر چاہ یونس بہ بطن ماہی گوید ثنای ما
ما پروریم دشمن و ما می کشیم دوست کس را چرا و چون نرسد قضائی ما
گہ زہر را نصیب بہ حلق حسن کنم کہ تیغ بر حسین زند کبریای ما

(کبھی ہم زکریا کے حلق پر آرہ رکھ دیتے ہیں اور کبھی یحیٰ کو قتل کرتے ہیں اور وہ ہماری آزمائش میں دم نہیں مارتا۔ یوسف مصر کنویں کی گہرائی میں ہماری مدح بیان کرتا ہے

اور یونس مچھلی کے پیٹ میں ہماری حمد وثنا کرتا ہے، ہم دشمن کی پرورش کرتے ہیں اور دوست کو مار ڈالتے ہیں کسی کو ہماری قضا وقدر کے آگے دم مارنے کی مجال نہیں ہے کبھی ہم حسن کی حلق میں زہر ٹپکاتے ہیں اور کبھی ہماری کبریائی حسین کے گلے پر تلوار چلاتی ہے)

ہدایت القلوب میں نہ صرف یہ کہ تصوف، اخلاق، انسان دوستی، اخوت تزکیہ وتصفیہ وغیرہ کی تعلیمات ملتی ہیں بلکہ آٹھویں صدی ہجری کے ہندوستان کی سماجی ثقافتی حالات اور اس زمانے کے علما فضلا اور صوفیا کی عملی کارگردگیوں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ یہ ملفوظ کئی لحاظ سے بہت اہم ہے۔ اور آج کے زمانے میں اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کو نہ صرف یہ کہ نئے سرے سے کیا جائے اور فارسی سے اردو میں ترجمہ کر دیا جائے تا کہ عوام اور خصوصاً چشتیہ کے متوسلین ومحبین ان حالات وتعلیمات سے آشنا ہوسکیں۔

چوں کہ حضرت زین الدین شیرازی بلند پایہ عالم وصوفی ہونے کے ساتھ ساتھ ادبی ذوق بھی رکھتے تھے اسلئے جگہ جگہ عمدہ اشعار دلچسپ حکایات اور صوفیانہ تعلیمات نہایت دلنشین انداز میں بیان کئے گئے ہیں اس کے علاوہ بہت سے ان واقعات وحالات پر بھی روشنی پڑتی ہے جو انہوں نے حضرت خواجہ غریب اور انہوں نے اپنے پیر ومرشد حضرت محبوب الٰہی سے روایت کئے ہیں۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنجشکر، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی حضرت خواجہ معین الدین چشتی حضرت شیخ نجیب الدین متوکل حضرت خواجہ بدرالدین اسحاق وغیرہ سے منقول بعض وہ اہم روایات بھی اس میں موجود ہیں جو شاید دوسری کتابوں میں نہ ملیں اور آیات واحادیث کی نہایت درجہ عالمانہ وصوفیانہ تشریحات خود بھی کی ہیں اور اپنے بزرگوں سے سنکر بھی نقل کی ہیں۔

عہد حاضر میں چشتی تعلیمات کی اہمیت وضرورت

سلسلہ عالیہ چشتیہ برصغیر کا معروف ترین روحانی وعرفانی سلسلہ ہے۔جس نے اس خطہ ارض پر معرفت خداوندی، اقامت دین، احیائے سنت، خدمت خلق، امن وآشتی تعلیم وتعلم، انسانیت، عظمت آدمیت اور مذہبی رواداری سے روشناس کرانے والے ایسے عظیم الشان مراکز قائم کئے جو اپنی ضیا پاشی سے اکناف عالم کو منور کئے ہوئے ہیں۔ان مراکز کی محبوبیت و مقبولیت کا بین ثبوت ہمیں ان آستانوں اور خانقاہوں میں ایک جم غفیر کی صورت میں اپنے چہار جانب دکھائی دیتا ہے۔

ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کی ابتدا سلطان الہند عطائے رسول حضرت خواجہ معین الدین حسن سجزی چشتی قدس اللہ سرہ کے قدوم میمنت لزوم سے ہوئی۔اس وقت سے آج تک اس کے نشو نما اور فروغ میں کوئی کمی نظر نہیں آتی بلکہ یہ شجر طوبی ہر دم مستحکم وتناور ہی ہوتا نظر آتا ہے۔سلسلہ چشتیہ کی نسبت شیخ ابو اسحاق شامی قدس اللہ سرہ کی ذات گرامی سے منسوب ہے۔اس تعلق سے جامع لطائف اشرفی حضرت نظام الدین یمنی رحمۃ اللہ علیہ نے مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ پیش کیا ہے جس میں آپ نے سلسلہ چشتیہ کی وجہ تسمیہ بیان فرمائی ہے:

”خانوادۂ چشتی شیخ ممشاد علو دینوری کی طرف منسوب ہے، مگر شیخ ابو اسحاق چشتی کے وقت سے اس خانوادے کا نام چشتیہ پڑا۔ چشت ایک شہر ولایت خراسان میں ہے۔(زمانہ حال میں چشت افغانستان کا ایک شہر ہے جو صوبہ ہرات میں واقع ہے)اور شیخ ابو اسحاق چشتی

شام کے رہنے والے اس شہر میں جا کر آباد ہوئے تھے۔ وہ پہلے ابو اسحاق شامی کے نام سے منسوب (مشہور) تھے اور درجہ ابدال میں تھے۔ چشت میں کفار رہتے تھے۔ ابو اسحاق نے ان کو مسلمان کیا بعد ازاں بغداد گئے اور شیخ علو دینوری کے مرید ہوئے۔ شیخ نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ کہا: ابو اسحاق شامی، فرمایا: آئندہ تم کو ابو اسحاق چشتی کہیں گے، کیونکہ تم خواجہ چشت ہو اور چشت کا اسلام تمہارے وسیلے سے ہے۔ پیر کے حکم سے یہ چشت آئے، وہاں کے شرفاء میں سے ایک بی بی کو بشارت دی کہ تمہارے بھائی کے گھر میں ایک بیٹا پیدا ہوگا جو بہت سے اولیاء اللہ کا سرچشمہ فیض بنے گا۔ تھوڑی مدت کے بعد اس بشارت کا ظہور ہوا اور شیخ احمد ابدال پیدا ہوئے۔ اس دن سے خواجگان چشت کی ابتدا ہوئی۔ خواجگان چشت پانچ ہیں۔ اول خواجہ ابو اسحاق چشتی اور دوسرے خواجہ ابو احمد ابدال چشتی، تیسرے خواجہ محمد چشتی، چوتھے خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی، پانچویں خواجہ قطب الدین مودود چشتی۔ یہ پانچوں بزرگ چشت میں رہے اور ان کو خواجگان چشت کہتے ہیں جو شخص ان کی طرف منسوب ہو یا ان کا مرید ہو اس کو بھی چشتی کہتے ہیں۔"

(لطائف اشرفی، مؤلف شیخ نظام الدین یمنی، مترجمین عبدالحی اشرف منشی امیر احمد فاروقیہ بک ڈپو نی مٹیا محل دہلی، ص ۲۶۰)

ان تمام اکابرین صوفیہ نے اپنے متبعین، مریدین اور محبین کے لئے شریعت اسلامیہ کی روشنی میں ایسے اصول وضوابط اور تعلیمات مرتب کیں جن پر عمل کر کے ایک انسان نہ صرف اپنے ملک وقوم میں امن وامان قائم کر سکتا ہے بلکہ اخروی زندگی میں بھی اعلیٰ درجات کا حامل بن سکتا ہے۔ یہ کوئی تصوراتی یا قیاسی بات نہیں بلکہ سلسلہ عالیہ چشتیہ کی تعلیمات کا

عملی نمونہ ہم کو خانقاہوں اور درگاہوں میں دیکھنے کو ملتا ہے جہاں بنا کسی تفریق مذہب وملت لوگ اپنی حاجت برآری کے لئے پورے عقیدت و احترام کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں اور اہل خانقاہ بلاتفریق ان کی خدمت کو اپنے لئے سعادت دارین کا وسیلہ جانتے ہیں۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است

از ہزاران کعبہ یک دل بہتر است

چنانچہ سیدنا شیخ خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ سرہ نے ہندوستان میں تشریف لانے کے بعد اسی مقصد کو آگے بڑھایا آپ جب یہاں تشریف لائے اور اجمیر میں قدم رنجاں ہوئے تو اس وقت ہندوستان میں کفروشرک ظلم و بربریت، جہالت ولا علمی، سماجی تفریق اور انتشار اپنے بام عروج پر تھا اس ظلمت میں آپ نے علم، معرفت خداوندی، سماجی رواداری اور خدمت خلق کی ایسی عظیم الشان مثال پیش فرمائی کہ ہندوستانی باشندوں نے جوق در جوق آپ کے دست اقدس پر قبول حق کیا اور داخل زمرۂ جنت ہوئے۔خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ سرہ نے جس ماحول میں اعلائے کلمتہ اللہ اور دعوت دین کا فریضہ انجام دیا کیا اس وقت کے حالات زمانہ حال سے بہتر تھے یا ابتر؟ پھر ایسا کیسے ہوا کہ انھوں نے حالات کے دھارے کا رخ موڑ دیا اور ناہموار کو ہموار بنا دیا یہاں ایمان وایقان کی ایسی باد بہاری چلی کہ جس کے فیض سے آج بھی ہم متمتع ہو رہے ہیں اس لئے آج کے پر آشوب حالات میں ان تعلیمات کی اہمیت وضرورت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اگر آج بھی ان پر حقیقی معنوں میں عمل کیا جائے تو وہ دن دور نہیں جب ہم پھر سے پوری آزادی اور اطمنان قلب کے ساتھ دین حنیف کی کلی پیروی کرسکیں گے۔

ان تعلیمات کی اہمیت و ضرورت آج اس لئے بھی بڑھ گئی ہے کیونکہ مادیت کی روز افزوں ترقی کے باوجود بھی انسان کو اپنی زندگی میں وہ روحانی سکون حاصل نہیں ہو پا رہا ہے۔ جو اس کے تسکین قلب و روح کا ضامن ہو۔ جب ہم عالمی سطح پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں سائنس وٹکنالوجی کی لاکھ ترقی کے باوجود انسان اخلاقی اور معاشرتی سطح پر تیزی کے ساتھ پستی کی طرف جاتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ عائلی اور سماجی زندگی میں ایسا خلا پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ جہاں رشتے، قدریں، اخلاقیات چارہ سازی، انسانی ہمدردی، محبت و مودت، شفقت و مہربانی اور قربانی وغیرہ کے جذبے تیزی سے مفقود ہوتے جا رہے ہیں اور ان کی جگہ برائیاں اور خرابیاں تیزی سے معاشرے میں جڑ پکڑ رہی ہیں چنانچہ مادی وسائل کی زیادہ سے زیادہ طلب نے زراندوزی اور سرمایہ داری کے کلچر کو ایسا فروغ دیا ہے کہ اس کے سامنے ساری اخلاقیات بے معنی ہو کر رہ گئی ہیں۔ اب ہر چیز مفاد کے ساتھ وابستہ ہے۔ جہاں دھوکے بازی کو عقل مندی اور اخلاص و ہمدردی کو بے وقوفی۔ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ظلم و بربریت کو بہادری اور عفو و درگزر کو بزدلی کا نام دیا جاتا ہے۔ نیک اور شریف لوگوں کو ذلیل اور اوباش اور غنڈوں کو صاحب عزت قرار دیا جاتا ہے ایسے ماحول میں شراب نوشی کی کثرت، منشیات کا استعمال اور جنسی بے راہ کے ذریعہ سکون حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جو انھیں گڑھے سے نکال کر کھائی میں گرا دینے کے مصداق ہے۔

ایسے ہی جب ہم ملکی اور قومی سطح پر دیکھتے ہیں تو آج کا منظر نامہ بہت مایوس کن نظر آتا ہے۔ ہر طرف انتشار اور بدامنی کا دور دورہ ہے۔ ملک معاشی بحران کی طرف بڑھ رہا

ہے۔ چند مٹھی بھر امیر اور مالدار طبقہ کے ہی مال و دولت میں اضافہ ہو رہا ہے وہیں غریب اور متوسط طبقے کے حالات بد سے بدتر ہوتے جارہے ہیں۔غریب طبقے تعلیم اور بنیادی انسانی ضروریات سے محروم ہیں، اقلیتوں اور نچلے طبقوں کا استحصال روز افزوں بڑھ رہا ہے۔ایک خاص نظریے، خاص تہذیب اور مخصوص زبان کو لوگوں پر زبردستی تھوپنے کی کوشش کی جارہی ہے۔جب کہ یہ ملک مختلف قوموں، مذہبوں زبانوں اور تہذیبوں کا گہوارہ ہے۔ چنانچہ اگر ان تمام پر کوئی بھی چیز زبردستی تھوپی گئی تو ملک کئی طرح کے بحرانوں کا شکار ہوسکتا ہے۔ایسے میں ملک وقوم کے بدخواہ بہت سے گروہ نوجوانوں کے جذبات کو بھڑکا کر اس انتشار کی آگ کو مزید بھڑکانے کے لئے سرگرداں نظر آتے ہیں چنانچہ نئی نسل کو شدت پسند سیاسی اور مذہبی گروہوں سے بچانا اور ان کی صحیح رہنمائی کرنا ملک وقوم دونوں کی اہم ترین ضرورت ہے۔

ایسے ماحول میں صوفیہ کی تعلیمات اور خصوصاً خواجگان چشت کی تعلیمات کو فروغ دے کر ملک میں امن امان اور مذہبی رواداری کو فروغ دے کر ملک کی تعمیر وترقی میں اپنا کردار ادا کرنا اہل خانقاہ اور ان کے متبعین پر لازمی ہے۔

خواجگان چشت کے حالات و معمولات کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ان کے یہاں کچھ امور ترجیحی طور پر نظر آتے ہیں ان کے ملفوظات و تعلیمات میں بھی بعض امور کی طرف خصوصاً توجہ دلائی گئی جس سے ہمیں سلسلہ چشتیہ کے اصول واضح طور پر سمجھ میں آتے ہیں جن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سید مخدوم اشرف کچھوچھوی فرماتے ہیں:

ان کی سیرت یہ ہے کہ شہر یا گاؤں میں گھر بناتے ہیں۔خلق کو باطل سے حق کی طرف

دعوت دیتے ہیں، مگر اہل دنیا سے روگرداں رہتے ہیں۔ ریاضت ومجاہدہ کرتے ہیں، فقر فاقہ کی عادت ڈالتے ہیں، فقرا اور مساکین کے ساتھ رہتے اور انھیں کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں۔ سماع کا شوق رکھتے ہیں، پیروں کے عرس کرتے ہیں، فقیروں کی تعظیم دولت مندوں سے زیادہ کرتے ہیں، غریبوں کے ہاتھ خود دھلاتے ہیں اور کبھی غنی کو فقیر سے بالا تر جگہ نہیں دیتے ان کی توجہ سے مرید کا دل دنیا کی محبت سے سرد ہو جاتا ہے۔" (ایضاً ص ۲۶۰۔۲۶۱)

نیز یہ کہ ان مشائخ کے معمولات میں خصوصاً عشق الہی، سوز وگداز، مرشد کے ساتھ شدید وابستگی، انسان دوستی، خدمت خلق، مذہب وملت کی تفریق کے بغیر ہر خاص وعام کے ساتھ رواداری اور شفقت ومحبت، حکومت، بادشاہ اور امرا سے بے تعلقی اور ظالم و جابر حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق کہنے کی جرأت یہ وہ نمایاں خصوصیات ہیں جن کی روشنی میں ہم آج بھی اس ناسازگار سے ناسازگار ماحول میں پوری استقامت کے ساتھ اپنی ایمانی و روحانی زندگی گزار سکتے ہیں۔ ان تعلیمات کو جمع کیا جائے تو گویا یہ دو محور کے ارد گرد گھومتی نظر آتی ہے ایک یہ کہ انسان کا اپنے رب کے ساتھ حسن تعلق اور دوسرا یہ کہ انسان کا انسان کے ساتھ حسن معاملہ گویا ایک حقوق اللہ ہے اور دوسرا حقوق العباد چنانچہ جب ہم صوفیہ چشت کی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس میں توحید باری تعالی اور عشق الہی پر سب سے زیادہ زور دیکھنے کو ملتا ہے۔ جس نے اس کا جام نوش کرلیا تو اس کی نظر میں ماسویٰ اللہ سب کچھ ہیچ ہو جاتا ہے اور زندگی میں آلام ومصائب کی کثرت کے باوجود انسان مکمل اعتماد اور کامل یقین کے ساتھ اپنے تمام معاملات اللہ عزوجل کو سونپ دیتا ہے اور اسے اس بات پر پختہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ

عز وجل جو بھی فیصلہ فرماتا ہے وہی انسان کے لئے سب بہتر ہوتا ہے۔ چنانچہ دلیل العارفین میں موحد اور متوکل کی صفت کو وضاحت کرتے ہوئے خواجہ معین الدین چشتی فرماتے ہیں:

"میں نے شیخ الاسلام حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ اہل عشق محبوب حقیقی کے بغیر اور کسی چیز میں مشغول نہیں ہوتے کیونکہ جو شخص اپنے دوست کے علاوہ کسی اور چیز سے خوش ہوتا ہے وہ دراصل غم کے قریب ہوتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ دوست کی بارگاہ سے اسے کوئی انس نہیں ہوتا وہ حقیقت میں وحشت کے قریب ہوتا ہے۔ جس کا دل دوست کے ساتھ وابستگی اور ہم آہنگی نہیں رکھتا وہ بالکل ہیچ ہے بلکہ ہیچ در ہیچ ہے اس کے بعد فرمایا کہ عارف وہ ہوتا ہے کہ جب وہ صبح کو اٹھے تو اسے رات کی کوئی عبادت یاد نہ ہو۔ اس کے بعد ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور انھوں نے فرمایا اے غافل! اس سفر کے لئے توشہ تیار کرو۔ جو تمہیں درپیش ہے یعنی موت کے سفر کے لئے توشہ تیار کرو۔ اس کے بعد فرمایا کہ اہل محبت وہ ہوتے ہیں کہ ان کے درمیان اور حق کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا پھر فرمایا کہ محبت میں عارف وہ ہوتا ہے جسے دوست کے بغیر کوئی چیز اچھی نہ لگے۔ کیونکہ اس وقت تک اس کی محبت کا دعوی تسلیم نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ بجز محبوب کے تمام دوسری چیزوں سے دستبردار نہ ہو جائے۔" (دلیل العارفین، ملفوظات خواجہ معین الدین، جامع: خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، اردو ترجمہ: حکیم مطیع الرحمن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۱۰۵)

اسی طرح توحید و توکل کی ایک اعلیٰ مثال ہمیں خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے اس سفارشی خط میں بھی ملتی ہے۔ جو انھوں نے ایک ضرورت مند کی حاجت برآری کے لئے سلطان غیاث الدین بلبن کو لکھا تھا۔ جس میں آپ نے حقیقی عطا کرنے والا اور منع کرنے

صرف اللہ عزوجل کو بتایا ہے اور انھوں نے سبب کے بجائے مسبب اصلی کی طرف توجہ دلائی ہے۔آپ نے نوشتہ ان الفاظ میں تحریر فرمایا:" میں اس شخص کا حال پہلے اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھتا ہوں پھر تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں، پس اگر تم اسے کچھ دوگے تو حقیقی دینے والا اللہ ہے اور تمہارا شکریہ ادا کیا جائے گا، اور کچھ نہ دوگے تو حقیقی مانع (محروم کرنے والا) بھی اللہ ہے اور اسوقت تم معذور سمجھے جاؤ گے۔" (فوائد الفواد کا علمی مقام ، اخلاق حسین قاسمی ، دارالاشاعت مصطفائی، دہلی طبع دوم ۲۰۱۷، ص ۳۲۱)

اللہ پر کامل یقین و اعتماد اور توکل کے بعد مشائخ چشت کے معمولات میں دین حنیف کی مکمل پیروی اور اتباع سنت اور عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ جس عمل کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے وہ خدمت خلق ہے۔ یہ عمل تمام انسانوں کے لئے عام ہے جس میں کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں کی جاتی اس کی بنیادی وجہ تو قرآن پاک اور احادیث شریفہ میں درج وہ احکام ہیں جن میں انسانوں کے ساتھ خیر اور بھلائی کا حکم دیا گیا ہے جیسے کہ اللہ عزوجل قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

" اللہ تمہیں ان سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ برتو، بیشک انصاف والے اللہ کو محبوب ہیں۔" (القرآن، پارہ ۲۸، سورہ الممتحنہ، آیت ۸، ترجمہ کنزالایمان)

اسی طرح حدیث پاک میں تمام مخلوق کو اللہ رب العزت کی عیال قرار دیا گیا ہے نیز ان کے ساتھ نیک سلوک کو پسندیدہ بتایا گیا ہے: **قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**

الْخَلْقَ عِيَالُ اللهِ فَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلَىٰ عِيَالِهِ " رواه البيهقي في شعب الايمان

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "خلقت اللہ کی پرورده (زیر کفالت) ہے، اور مخلوق میں سے وہ شخص اللہ کو زیادہ پسند ہے جو اس کی عیال سے اچھا سلوک کرتا ہے۔(الحدیث، مشکوۃ المصابح، حدیث ۴۹۹۸)

اس حدیث پاک کی تشریح میں مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جیسے تم اس شخص سے بہت خوش ہوتے ہو وہ جو تمہارے غلاموں، لونڈیوں، بال بچوں سے اچھا سلوک کر کے کیونکہ وہ تمہارے پرورده (زیر کفالت) ہیں ایسے ہی جو کوئی اللہ کی مخلوق سے بھلائی کرے اللہ اس سے خوش ہوتا ہے۔(مرآۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح، احمد یار خان نعیمی ،جلد ۶ حدیث نمبر ۴۹۹۸)

قرآن وسنت کے انہی نصوص کو پیش نظر رکھتے ہوئے نیز تبلیغ دین کی حکمت عملی تقاضے کے تحت بھی غیر مسلموں سے رواداری اور خدمت خلق کو صوفیہ چشت نے بہت فروغ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کے دل اسلام اور اہل اسلام دونوں سے مانوس ہوئے اور انھوں نے بڑی تعداد میں دین حق کو قبول کیا۔خواجگان چشت کی سیرت وسوانح خدمت خلق اور رواداری کے واقعات سے معمور ہیں۔اس سلسلے میں خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان کتنا اہم ہے آپ فرماتے ہیں:

"سب سے بہتر اطاعت مظلوموں کی فریاد رسی کرنا، ضرورت مندوں کی حاجت پوری

کرنا اور بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے۔ (خواجہ نظام الدین اولیاء، پروفیسر عبد الرحمن مومن قاضی پبلشرز نئی دہلی طبع اول ۱۹۹۸،ص ۳۲)، حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء نے خاندان چشت کی دو خصوصیتیں بتائی ہیں:

"ایک مخالفت ہوائے نفس اور دوسرا ایصال منفعت للغیر" (ایضاص ۴۸)

نیز سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء کا یہ قول بھی خدمت خلق اور رواداری کو بخوبی واضح کرتا ہے۔"سلطان جی فرماتے ہیں کہ مجھے عالم واقعہ میں ایک کتاب دی گئی جس میں لکھا ہوا تھا کہ دلوں کو راحت پہنچاؤ کیونکہ مومن کا دل اسرار ربوبیت کا محل ہے۔ بازار قیامت میں کسی سامان کی اتنی پرسـش نہ ہوگی جتنی شکت دلوں کو راحت پہنچانے کی۔فرمایا کہ طاعت کی دو قسمیں ہیں ایک لازمی دوسری متعدی طاعت لازمی یہ ہے کہ اس کا نفع صرف کرنے والے کو پہنچے وہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اوراوراد ہیں۔طاعت متعدی یہ ہے کہ جس کی منفعت اور راحت دوسروں کو بھی پہنچے۔اس کا ثواب بے حد وشمار ہے۔ پھر فرمایا کہ طاعت لازمی میں تو اخلاص ہونا چاہئے تاکہ قبول ہو جائے لیکن طاعت متعدی تو جس طرح کی بھی ہو اور جیسے بھی کی جائے اس کا ثواب ہے۔(ایضاًص ۱۴۸)

خوابہ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ حضرت محبوب الٰہی کے خصوصی فیض یافتہ تھے جن کو سلطان الشائخ نے بایزید وقت اور فرزند شائستہ اور مولانا برہان الدین غریب کے القابات عطا کیئے اور جن کے فیض سے سرزمین دکن کو سلسلہ چشتیہ کا خصوصی فیضان حاصل ہوا اور آپ کی دل جوئی کے لئے حضرت محبوب الٰہی نے نہ صرف اپنی نعلین پاک آپ کو عطا فرمائی بلکہ سات

سو مریدین کی ایک بڑی جماعت بھی آپ کی معیت میں روانہ فرمائی۔آپ کے یہاں بھی طلب حق، اشاعت اسلام کے ساتھ ساتھ خدمت خلق کے عمل کو خصوصی حیثیت حاصل رہی ہے چنانچہ آپ ایک موقع پر اپنے معتقدین کو تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

لوگوں کی راحت رسانی میں کوشاں رہیں، اس سلسلہ میں فرمایا! ایک درخت خود تو دھوپ میں کھڑا رہتا ہے لیکن دوسروں کو سایہ دیتا ہے لکڑی خود تو جلتی ہے لیکن اوروں کو آرام پہنچاتی ہے، اسی طرح انسان خود تکلیف اٹھائے اور اپنی تکلیف کا خیال نہ کرے لیکن دوسروں کو فائدہ اور آرام پہنچائے۔"

(بزم صوفیہ، صباح الدین عبدالرحمن، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۲۰۱۱ ص ۲۹۲)

نیز آپ فرماتے ہیں جب کوئی مسافر کسی مقیم کے پاس آئے تو اسے چاہئے کہ مسافر کے سامنے دو طرح کا گرم پانی پیش کرے۔ایک ہاتھ منھ دھونے کے لئے، دوسرا شوربا (کھانے کے لئے)"۔آگے فرماتے ہیں کہ "وہ تھوڑا بہت اچھا ہے جو بہتوں پر خرچ ہو جائے" اور فرمایا کہ "درویشی یہ ہے کہ جو کچھ ہاتھ میں ہو وہ دے دو، اور جو کچھ (گھمنڈ) سر میں ہو وہ نکال دو" اور فرمایا کہ جس نے جو بھی پایا وہ دلوں (کو جوڑنے) سے پایا اور جو بھی (راہ استقامت سے) گرا وہ دلوں سے اتر گیا۔"

(روضۃ الاولیاء، غلام علی آزاد بلگرامی، ترجمہ، پروفیسر نثار احمد فاروقی، ادارہ نشر و اشاعت جامع العلوم فرقانیہ، رام پور طبع اول ۱۹۹۶ء ص ۲۳)

توکل علی اللہ خدمت خلق کا یہ جذبہ اسی وقت فروغ پاتا ہے جبکہ انسان کا ظاہر و باطن

طیب وطاہر ہو جائے اور اس کے لئے صوفیہ چشت نے ایک پورا نظام مرتب کیا ہے جس کو منازل سلوک کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ہر ایک کے حالات کی مناسبت سے اس کو مختلف منازل طے کرائی جاتی ہیں ۔اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کے اندر سے عادات رزیلہ محو اور عادات محمودہ جاں گزیں ہو جاتی ہیں اور اس کا دل ایسا منور ہو جاتا ہے کہ جھوٹی انا بے جا غرور، بے منی عصبیت، ذاتی اور قومی افتخار، جھوٹ، بخل بغض، عدادت اور نفاق جیسی تمام بری خصلتیں مٹ جاتی ہیں اور ان کی جگہ محبت، شفقت مہربانی، چارہ سازی، ہمدردی، انفاق، اخلاص، سچائی اور اپنی ذات پر لوگوں کو ترجیح دینے جیسی تمام اچھی عادتیں اس کے باطن میں رچ بس جاتی ہیں ۔منازل سلوک کے متعلق صوفیہ چشت کے یہاں الگ الگ تعداد پائی جاتی ہیں ۔متقدمین صوفیہ نے اس کے نناوے منازل بتائی ہیں جبکہ متاخرین نے ان کو پندرہ منازل میں جمع کر دیا ہے ۔شیخ نور قطب عالم پنڈوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو تین منازل میں جمع کر دیا ہے ۔ پہلا محاسبہ، دوسرا ترقی اور تیسرا نفی الخواطر چنانچہ آپ نے اس کی تفصیل یوں بیان فرمائی ہے:

منزل اول: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: " **حَاسِبُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا** " یعنی اپنا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔

منزل دوم: نبی علیہ السلام نے فرمایا " **مَنِ اسْتَوٰى يَوْمَاهِ فِي الدِّيْنِ فَهُوَ مَغْبُون** " یعنی جس کے دو دن ایک جیسے ہوں، وہ گھاٹے میں ہے۔

منزل سوم: صوفیہ کا قول ہے " **عِبَادَةُ الْفَقِيرِ نَفْئُ الْخَوَاطِر** " یعنی فقیر کی

عبادت دل سے ماسوا (اللہ) کی نفی کرنا ہے۔"

(رفیق العارفین، ملفوظات شیخ حسام الدین مانکپوری، شیخ فرید بن سالار عراقی، ترجمہ، ڈاکٹر محمد سجاد عالم رضوی، شاہ عبدالعلیم آسی فاؤنڈیشن دہلی ۲۰۲۲ص ۶۵-۶۶)

چنانچہ اسی لئے صوفیہ چشت کی تعلیمات کا محور علم کے بجائے عمل اور عقل کے مقابلے میں عشق رہا ہے۔ آج دنیا کو اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، اس لئے اہل خانقاہ اور ان کے معتقدین ومحبین کو بھی صوفیہ چشت کی تعلیم کو عملی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت ہے تا کہ ہمارا ملک اور پوری دنیا امن وامان اور تعمیر وترقی کا گہوارہ بن سکے۔

عمیر حسامی

خانقاہ حسامیہ گڑھی مانک پور پرتاپ گڑھ یوپی

uhusami@gmail.com

9616994909

غرائب الکرامات وعجائب المکاشفات کا ایک تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ

ابرار رضا مصباحی
ڈائریکٹر: شاہ عبدالعلیم آسی فاؤنڈیشن، نئی دہلی
ریسرچ اسکالر: شعبہ فارسی جامعہ اسلامیہ نئی دہلی

یوں تو رسالہ ”غرائب الکرامات وعجائب المکاشفات“ حضرت شیخ برہان الدین غریب قدس سرہ کی عظیم کرامات اور حیرت انگیز مکاشفات پر مشتمل ہے لیکن ان کے ضمن میں حضرت شیخ کی حیات وشخصیت کے کئی اہم گوشوں، مثلاً آپ کی ریاضات ومجاہدات شاقہ، دل نشیں تعلیمات و ہدایات، زریں ارشادات وفرمودات، طریقت کے آداب واصول اور اصطلاحات تصوف وصوفیہ پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ حضرت شیخ کے کئی باکمال خلفا اور نامور مریدین کے احوال وکوائف سے متعلق بھی اہم معلومات درج ہیں۔ اس کے بعد حضرت شیخ کے سفر آخرت کی تیاری اور کوائف رحلت کا بیان ہے، پھر حضرت شیخ کے وصال کے بعد واقع ہونے والی کئی حیرت انگیز کرامات کو بھی شامل کیا گیا ہے، پھر رسالے کے اخیر میں اختتامیہ اور حضرت شیخ غریب کے وصال پر رقت آمیز اشعار اور درد انگیز مرثیے شامل ہیں۔

مؤلف غرائب الکرامات:

غرائب الکرامات کے مؤلف شیخ مجد الدین عماد کاشانی ہیں جو حضرت شیخ برہان الدین غریب کے سعادت مند مرید، باکمال خلیفہ اور مخلص حاضر باش تھے۔ ان کا خاندان علمی و روحانی طور پر حضرت شیخ سے وابستہ تھا اور سبھی افراد حضرت شیخ کے دامن رشد و ہدایت سے

منسلک تھے۔ حضرت شیخ کی بھی اس خاندان پر نگاہ کرم اور توجہ خاص تھی جس کی لوگوں میں شہرت بھی تھی جیسا کہ مؤلف نے غرائب الکرامات کے دیباچے میں اشارہ کیا ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

"اس رسالے کی تالیف کی راہ میں کوتاہیاں بھی حائل ہوئیں اور کافی رکاوٹوں کی وجہ سے اس مقصد میں کام یابی نظر نہیں آرہی تھی، یہاں تک کہ حضرت قطب عالم [شیخ برہان الدین غریب] کے بعض معتبر احباب، باذوق اصحاب اور مخلص مریدین نے کرم فرماتے ہوئے مجھے یہ عبارت تحریر کی:

"چوں کہ آپ کا خاندان اخلاص و وفا کے زیور سے آراستہ ہے اور خاندان کے چھوٹے بڑے سبھی کو حضرت شیخ الاسلام کے ساتھ ایک خصوصی مناسبت اور قرب تمام حاصل ہے جو لوگوں سے پوشیدہ نہیں ہے اور یہ تحقیقی طور پر معلوم ہے کہ آپ کے خاندان کی کئی بابرکت شخصیات نے حضرت شیخ الاسلام کی کرامتوں کو بیان فرمایا ہے، لہٰذا اب آپ اس عہد میں انھیں (تحریری طور پر) بیان کردیں۔"

مؤلف نے دیباچے میں اپنے دو برادران بزرگوار، شیخ رکن الدین عماد کاشانی اور شیخ حماد الدین عماد کاشانی کو بلند القاب و آداب سے مخاطب کرتے ہوئے ان کی علمی وروحانی حیثیتوں کو اجاگر کیا ہے اور ان "نفائس الانفاس اور احسن الا قوال کی اہمیت و جامعیت پر بھی روشنی ڈالی ہے، جیسا کہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"یہ دونوں نہایت حسین اور عمدہ تالیفات؛ سالکین راہ طریقت کے لیے زبردست

برہان اور رہنما اصول ہیں۔"

شیخ رکن الدین عماد کاشانی، شیخ حماد الدین کاشانی اور شیخ مجد والدین عماد کاشانی تینوں برادران حضرت شیخ برہان الدین غریب کے دست گرفتہ، خلافت ونعمت یافتہ اور عاشق و شیدا تھے۔ ان تینوں برادران گرامی نے اپنی علمی وفکری صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنے پیر و مرشد کے احوال وکمالات، ارشادات وفرمودات اور تعلیمات و ہدایات کو قلم بند کر کے ایک تاریخی اور قابل یادگار کارنامہ انجام دیا ہے۔ بلاشبہ ان حضرات کی کتابیں حضرت شیخ پر ریسرچ کرنے والوں کے لیے اہم دستاویزات اور بنیادی مراجع کی حیثیت رکھتی ہیں۔

مؤلف کو اپنے پیر و مرشد سے غایت درجہ عقیدت ومحبت تھی اور اس درجہ تھی کہ بیعت وارادت حاصل کرنے کے بعد دن رات اپنے شیخ کامل کے مناقب ومدائح میں ہی مشغول رہنے لگے اور اپنے اور غیر سب سے اپنے پیر کے اوصاف وکمالات اور محاسن ومحامد کو بیان کرتے اور سناتے رہتے تھے۔ شیخ مجد دالدین کی اسی مخلصانہ محبت، روحانی تعلق قلبی لگاؤ اور خوش اعتقادی نے ان کو تالیف پر آمادہ کیا اور اپنے پیر ومرشد کے قیمتی آثار وتبرکات اور نایاب معلومات اور عظیم کرامات ومکاشفات کو تحریر کر کے محفوظ کر دیا اور اپنے بعد والوں کے لیے ایک عمدہ سامان اور حضرت شیخ غریب پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے بیش قیمت مواد فراہم کر دیا ہے۔

مؤلف نے اپنے اصل موضوع یعنی ذکر کرامات ومکاشفات سے قبل جو دیباچہ تحریر کیا ہے، وہ علمی تحقیقی اور معلوماتی اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ انداز بیان اور طریقہ گفتگو بہت ہی

مدلل ہے جس سے مؤلف کی عالمانہ شان و عظمت، محققانہ صلاحیت، لیاقت و بصیرت اور عارفانہ حکمت و دانائی نمایاں ہوتی ہے۔

مؤلف نے حمد وثنا کے بعد انبیا و اولیا کے بھیجے جانے کے اغراض و مقاصد اور ان کی ہمہ گیر ذمے داریوں پر بڑی نفیس باتیں تحریر کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاے کرام کے معجزات علم دولت اور اولیائے عظام کی کرامات کے پرچم سعادت کو اپنی کائنات اور بندوں کے درمیان بلند فرمایا اور اپنے انوار معرفت اور علوم لدنی سے انبیا کے باطن کو تزکیہ اور صوفیہ کے دل کو تصفیہ سے مزین کیا۔ انبیا کو معجزہ عطا فرمایا تاکہ وہ اپنے حیرت انگیز معجزات کی حجتوں سے مشرکین کے دامن کو اسلام کی سعادت سے مالا مال کریں اور اولیا کو کرامات کے اظہار کا حکم فرمایا تاکہ وہ اپنے انوکھے دلائل اور حیرت انگیز مکاشفات کے براہین سے اہل اسلام کو خداوند قدوس کے قرب سے مشرف کردیں۔

اسی طرح شریعت محمدیہ کے علما مشائخ کی عظمت و منزلت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ درودوں کا تحفہ اور سلاموں کا ہدیہ اکرمُ الانبیاء برہان الاصفیا، حضرت مجتبیٰ محمد مصطفی علیہ افضل الصلوات وعلیٰ آلہ واصحابہ پر جن کی شریعت کے علما انبیاے کرام کے علوم کے وراث ہیں کہ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ یعنی علماء انبیا کے وارث ہیں۔ اور جن کی امت کے مشائخ لوگوں کی ہدایت و رہ نمائی کے اعتبار سے نبی کے قائم مقام ہیں کہ ”الشيخ فِي قَوْمِهِ كَالنَّبِي فِي أُمَّتِهِ“ یعنی شیخ اپنی قوم میں ایسے ہی ہیں جیسے نبی اپنی امت میں۔

اس کے بعد شیخ مجد والدین کاشانی نے اپنی اردات کی سعادت مندی اور اس کے بعد پیش آمدہ احوال وکوائف، وجہ تالیف، وغیرہ کو پیش کیا ہے۔

اس رسالے میں حضرت شیخ برہان الدین غریب کی ہمہ صفات شخصیت اور ان کی مختلف الجہات خدمات پر بھی روشنی پڑتی ہے جن میں سے چند جھلکیاں اس طرح ہیں:

آپ نے ۲۵ ؍سال کی نماز عشاء کے وضو سے نماز فجر ادا فرمائی ہے اور شب بیداری کی وجہ سے اپنی پشت مبارک کو زمین پر نہیں لگایا۔

آپ نے ۳۰ ؍سال تک صوم داؤدی رکھا اور ایک مصلا پہ ۶ ؍سال تک نماز ادا کی اور پھر اسی کو آپ اُوڑھ بھی لیتے تھے۔

حضرت محبوب الٰہی نے حضرت شیخ برہان الدین کے بارے میں فرمایا کہ " اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي " اور سرزمین دکن کی ولایت عطا فرماتے ہوئے بڑی شفقت ومحبت کے ساتھ آپ کو خلق خدا کی تعلیم وتلقین اور رشد وہدایت کے لیے دکن کی جانب رخصت فرمایا۔

تاریخ وتذکرہ کی کتابوں میں مذکور ہے اور یہ عجب اتفاق ہے کہ خواجہ برہان الدین غریب اور مخدوم شیخ اخی سراج عثمان جو دونوں برادران طریقت اور حضرت محبوب الٰہی کے مشہور ترین مریدین وخلفا میں ہیں۔ جب دونوں کی حیات کا مطالعہ کیجیے تو ان دونوں بزرگوں کے کئی واقعات میں یکسانیت نظر آئے گی، مثلاً یہ کہ جب شیخ برہان الدین دکن تشریف لائے تو ان کو اس وقت کے نامور عالم وفاضل حضرت مولانا سید زین الدین داؤد شیرازی کا سامنا ہوا۔

ایسے ہی جب حضرت محبوب الٰہی نے مخدوم اخی سراج کو سرزمین بنگالہ بھیجا تو ان کو مولا نا علاء الحق پنڈوی کا سامنا ہوا۔ بعد میں یہ دونوں ناموران علم وفن ان کے اردات مندوں اور غلاموں میں شامل ہونے کے ساتھ ساتھ آگے چل کر اپنے اپنے شیخ کامل کے علوم و معارف کے بچے وارث و جانشین بھی قرار پائے۔

مؤلف نے تصوف کی کئی اصطلاحات پر بھی بڑی عمدہ، جامع اور سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

مثلاً، تجرید و تفرید کے بارے میں فرماتے ہیں:

"تجرید کیا ہے؟ **تجرید:** وہ ہے کہ آج جو کچھ تمھارے پاس ہے، اس سے آزاد ہو جاؤ۔

تفرید: وہ ہے کہ تم کل کے غم و فکر میں مت رہو۔"

اسی طرح خلوت ظاہری و باطنی پر بھی اہم باتیں بیان فرمائی ہیں۔ لکھتے ہیں کہ:

"**خلوت ظاہر:** وہ ہے جو مخلوق کو چھوڑ کر دیوار سے سروکار رکھے (یعنی مخلوق سے کنارہ کش ہو کر گوشہ تنہائی کو اختیار کرلے) یہاں تک کہ اپنی جان حق تعالیٰ کے سپرد کردے۔

خلوت باطن: وہ ہے جو دل سے اغیار کے اندیشے کو دھو ڈالے (حق تعالیٰ کی ذات پاک کے علاوہ دوسرے کی بالکل فکر پروانہ ہو)۔

راہ سلوک اور طریق معرفت کی کچھ اصولی اور ضروری باتیں بھی بیان کی ہیں جو واقعی بہت اہم ہیں، چند نکات ملاحظہ کریں:

ریاضت و مجاہدہ کے بغیر کرامت کی دولت کم ہی کسی کو نصیب ہوئی ہے اور سبھوں نے ریاضت کی کنجی ہی سے سعادت کے خزانے اور کیمیاوی دولت کے تالے کو کھولا ہے۔"

اسی طرح دوسری جگہ یہ فرماتے ہیں:

"جب سالک میدان ریاضت ومجاہدہ میں جادۂ شریعت وطریقت پر قدم رکھتا ہے تو وہ حق تعالیٰ کی توفیق اور مجاہدہ کے ذریعے صفات ذمیمہ میں سے ہر ایک صفت کو اکھاڑ پھینکتا ہے اور بُری خصلتوں کی بجائے وہ اچھی خصلتوں میں جا بیٹھتا ہے اور جب کبھی حجاب اٹھتا ہے تو اس سے روح کی روشنی ظاہر ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ اوصاف ذمیمہ بھی حمیدہ میں بدل جاتے ہیں اور پورا حجاب اس سے اُٹھ جاتا ہے تو پھر وہ مقام مشاہدہ میں پہنچ جاتا ہے۔"

حضرت شیخ برہان الدین غریب کی ذات پاک سے کثرت سے کرامات کا ظہور رہا۔ اس رسالے میں زیادہ تر ان کرامتوں کا ذکر ہے جو حضرت شیخ کی حیات مبارکہ سے متعلق ہیں۔ البتہ حضرت شیخ کے وصال کے بعد جو کرامتیں واقع ہوئی ہیں، مؤلف نے ان میں سے بھی چند کرامتوں کو اپنے رسالے میں شامل کیا ہے۔ حضرت شیخ کے وصال کو گزرے ہوئے ایک طویل عرصہ گزر گیا ہے لیکن آج بھی آپ کے مزار مقدس سے کرامتوں کا ظہور ہوتا رہتا ہے اور زائرین وحاضرین انھیں اپنے ماتھے کی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں۔

اظہار کرامت کا معاملہ:

کچھ لوگوں کو شبہ ہوگا یا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مشائخ نے کرامتوں کے اظہار کو مناسب نہیں سمجھا ہے بلکہ انھوں نے حتی الامکان ان کو چھپایا ہے لیکن حضرت شیخ برہان الدین غریب نے کرامات کو چھپانے کے بجائے ان کا خوب مظاہرہ فرمایا ہے؟

دیکھیے! جب اللہ تعالیٰ کو اپنے کسی محبوب اور برگزیدہ بندے کی عظمت و ولایت کو

مخلوق خدا کے قلوب و اذہان میں جاگزیں کرنا ہوتا ہے تو اپنے اولیا سے مختلف مواقع پر کرامت صادر کر دیتا ہے جس کی بسا اوقات ان اولیا کو خبر بھی نہیں ہوتی۔........پھر یہ کہ حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ بذات خود کرامتوں کے اظہار سے پرہیز فرماتے تھے۔اگر کسی کو آپ کی کسی کرامت کا علم ہوتا اور وہ آپ کی خدمت میں آ کر اس کا ذکر کرتا تو آپ اس سے انکار فرماتے اور اس کا رد کرتے تھے۔کرامت بیان کرنے والا اگر تاکید کے ساتھ کہتا تو آپ اس کی تاویل کرتے تھے۔غرائب الکرامات میں شیخ مجد الدین عماد کاشانی نے تحریر کیا ہے کہ

”حضرت قطب المدار جو اصحاب کرامت کے کعبہ اور ارباب معرفت کے قبلہ ہیں، انھوں نے خود سے کبھی کشف و کرامت کا اظہار نہیں کیا۔آپ ہمیشہ اس کو چھپاتے تھے۔“

بطور ثبوت وسند غرائب الکرامات کا ایک واقعہ سماعت کریں۔شیخ مجد الدین عماد کا شانی بیان کرتے ہیں کہ:

اولیا پناہ حضرت قطب المدار [شیخ برہان الدین قدس سرہ] کی خانقاہ میں مسافروں اور سیاحوں کا ایک گروہ پہنچا۔خادم اندر سے باہر آیا اور کہا کہ حضرت وضو فرما رہے ہیں۔آپ لوگ کچھ دیر جماعت خانہ (مسجد) میں بیٹھیں۔حضرت جب وضو سے فارغ ہو جائیں گے تو اطمینان سے ملاقات ہو جائے گی۔یہ لوگ کافی شور و غل کرنے لگے اور بے موقع بات چیت اور نامناسب کلمات بکنا شروع کر دیے اور کہنے لگے کہ ہم اپنے ملک بالا کے سیاح اور مسافر ہیں۔ہم لوگ خانہ کعبہ سے مشائخ کی زیارت کرتے ہوئے آرہے ہیں۔تم ہماری تعظیم نہیں کر رہے ہو اور توہین و تحقیر کی نظر سے دیکھ رہے ہو۔خادم نے یہ بات حضرت قطب المدار کی خدمت

میں پیش کر دی ۔حضرت قطب المدار نے ان سب کو بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ اپنے پاس بلایا اور یہ لوگ اسی طرح شور مچاتے اور ہنگامہ کرتے ہوئے خدمت میں حاضر ہو گئے لیکن آپ کے قریب پہنچتے ہی خاموش ہو گئے اور آداب بجالائے ۔حضرت قطب المدار اپنا دست مبارک ان کی پیٹھ پر رکھتے ہوئے مسکرانے لگے اور فرمایا: بیٹھ جائیں! جب وہ لوگ بیٹھ گئے تو ایک دوسرے کی جانب دیکھنے اور کہنے لگے کہ یہ تو وہی بزرگ ہیں جن سے ہم لوگوں نے کئی بار خانہ کعبہ میں مصافحہ کیا ہے اور پھر ان لوگوں نے اپنا سر آپ کے قدموں میں ڈال دیا اور کہا کہ یہ تو خدا کے دوست برہان الدین ہیں ۔حضرت قطب المدار نے فرمایا کہ خدارا ایسا نہ کہو، اس لیے کہ دنیا میں کئی برہان الدین ہیں ۔وہ کوئی دوسرے ہوں گے ۔"

غرائب الکرامات کی معتبریت:

یہ رسالہ استنادی حیثیت کا حامل ہے ۔اس کی بعض کرامات و مکاشفات کے بیان کرنے والے خود حضرت شیخ کے برادران طریقت اور حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا دہلوی قدس سرہ کے مریدین و خلفا ہیں جن کی عظمت و حیثیت کسی پر پوشیدہ نہیں ہے ۔اس اعتبار سے اگر غرائب الکرامات کا جائزہ لیا جائے تو اس کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے ۔حضرت شیخ کے برادرانِ طریقت اور بلند مقام احباب و رفقا نے بھی حضرت شیخ کی ولایت و مرتبت اور عظمت و بزرگی کا اعتراف و اقرار کیا ہے ۔اسی رسالے میں ہے کہ حضرت محبوب الٰہی نے جب حضرت شیخ برہان الدین کو تبلیغ ارشاد اور دعوت حق کے لیے سرزمین دہلی سے ملک دکن روانہ فرمایا تو سات سو منتخب اور باکمال مریدین و خلفا کی ایک جماعت کو آپ کے ساتھ کیا

اور ان سب کا مقتدا و پیشوا آپ کو مقرر فرمایا۔

خلاصہ یہ کہ غرائب الکرامات حضرت شیخ برہان الدین غریب کے کل ۲۳ ر حاضر باشوں جن میں آپ کے معاصرین، برادران طریقت، خلفا و مریدین اور دیگر فیض یافتگان کے حوالے سے حضرت شیخ کے.... [۷]...... مکاشفات اور ......[۷] خرق عادات واقعات یعنی کرامات کا ذکر ہے۔ جن میں خواجہ نصیر الدین محمود دہلوی، مولانا لطیف الدین خواجہ محمد لشکری، خواجہ محمود لاجورہ، خواجہ مبارک معروف .... کاکاشاد بخت .... خواجہ رکن الدین عماد دبیرؔ کاشانی، خواجہ حماد الدین عماد کاشانی، مولانا عزیز الدین حافظ... خواجہ رشید الدین خواجہ مبارک غوری، خواجہ مجد والدین عماد کاشانی، خواجہ جلال الدین... ملک عالم دبیر تلغ خان خواجہ محمد کاتب ندیم شیخ فضل اللہ شیخ شمس الدین خواجہ علی شاہ عمر محرابی سید شاہ ابراہیم عرف برہانی خواجہ محمد رستم خواجہ جلال الدین خواجہ برہان الدین کاشانی، خواجہ عبدالرب مطنجی قابل ذکر ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا سبھی حضرات کے بیان کردہ واقعات ان کے اپنے ذاتی تجربات، مشاہدات اور ثقہ روایات پر بنتی ہیں۔

مؤلف نے صرف ایک ہی کرامت کو اپنے حوالے سے بیان کیا ہے، باقی تمام کرامات و واقعات کو حضرت محبوب الٰہی کے مریدین و خلفا و خواجہ برہان الدین کے برادران طریقت اور اپنے برداران طریقت اور خواجہ غریب کے مریدین و خلفا کے حوالے سے ہی ذکر کیا ہے، جن کی ثقاہت و معتبریت کا اندازہ آپ حضرات خود لگا سکتے ہیں۔ اس رسالے میں جن علما و مشائخ کے حوالے دیے گئے ہیں، وہ علم و فضل اور ولایت و تقوی میں بلند مقام پر فائز تھے،

ان کی زبانی روایت کردہ کرامات اور مکاشفات استنادی حیثیت کے حامل ہیں۔

بحیثیت ماخذ و مرجع:

یہ رسالہ ایک قابل قدر ماخذ ہے جس کی علمی اور تاریخی حیثیت مسلم ہے۔ ہر دور کے ارباب علم و معرفت اور اصحاب تاریخ و تحقیق نے اس سے استفادہ کیا ہے اور اپنی اپنی تصنیفات و تالیفات میں جا بجا اس کے حوالے اور اقتباسات پیش کیے ہیں، مثال کے طور پر؛

یہ رسالہ نامور عالم و مصنف میر سید غلام علی آزاد بلگرامی کے مطالعے میں بھی رہا ہے۔ انھوں نے اپنی تصنیف "روضۃ الاولیاء" میں حضرت شیخ برہان الدین غریب اور ان کے خلفا و مریدین وغیرہ کے حالات و واقعات کے بیان میں کثرت سے "غرائب الکرامات" کے اقتباسات و مندرجات پیش کیے ہیں۔ مولانا آزاد بلگرامی کی نگاہ سے غرائب الکرامات کے ساتھ شیخ برہان الدین غریب کے ملفوظات (یعنی نفائس الانفاس، احسن الاقوال) بھی گزر چکی ہیں۔ چناں چہ وہ "روضۃ الاولیاء" میں شیخ رکن الدین عماد کاشانی اور "نفائس الانفاس" کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"نیز ان کے دوسرے بھائی شیخ مجد الدین بن عماد کاشانی علیہ الرحمہ نے حضرت شیخ کی کرامتوں پر مشتمل دو کتابیں تصنیف فرمائیں؛ ایک غرائب الکرامات اور دوسری بقیۃ الغرائب۔ یہ چاروں کتابیں فقیر (آزاد بلگرامی) کی نظر سے گزر چکی ہیں۔ (ص: ۵۰، روضۃ الاولیا مترجم)

مشہور دانش ور اور محقق پروفیسر نثار احمد فاروقی نے غرائب الکرامات کا انتخاب

ماہنامہ منادی دہلی میں شائع کیا ہے۔ دیگر علماء مصنفین نے بھی غرائب الکرامات سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور اس کی استنادی اہمیت وافادیت کو تسلیم کیا ہے۔ مشائخ طریقت اور عرفائے حقیقت نے بھی اس کتاب سے حظ وافر اٹھایا ہے اور اپنی اصلاحی و روحانی مجلسوں میں اس کے واقعات و روایات کو بیان کر کے اس کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔

ایک مغالطہ کا ازالہ:

بہر حال! غرائب الکرامات و عجائب المکاشفات حضرت شیخ برہان کے کشف و کرامت پر مشتمل ہے، نہ کہ ملفوظات پر۔

واضح رہے کہ یہ حضرت شیخ کی محض چند کرامات پر بنی ایک مختصر رسالہ ہے، ورنہ آپ کی کرامات کو بیان کرنے کے لیے ایک دفتر بھی ناکافی ہے جیسا کہ مؤلف غرائب الکرامات شیخ مجد الدین کاشانی نے بھی بیان کیا ہے، وہ اپنے دیباچے کے اختتام پر لکھتے ہیں:

ارباب دین کے دل کو سمجھنا اور اصحابِ یقین کے ذہن کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت قطب المدار کی اتنی کرامات ہیں کہ اگر پوری عمر ان کے بیان کرنے میں صرف کر دی جائے تو ان کے عشر عشیر (دسویں حصے) کو بھی تحریر میں نہیں لایا جا سکتا اور بندۂ امیدوار کو جو کچھ مشاہدہ اور معائنہ ہوا اور مریدان صادق سے میں نے سنا ہے، اس سبب سے کہ بہت سے لوگ موانع روزگار کی وجہ سے ان کی کتابت نہیں کر سکتے ہیں، ان کو اس رسالے میں پیش کر دیا تا کہ جس کو ان کی طلب ہو گی وہ اس کو نقل کر سکے اور مطالعے کی دولت سے محروم نہ ہو۔

غرائب الکرامات و عجائب المکاشفات کے بارے میں ایک زبردست مغالطے کا

ازالہ کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ بعض ارباب علم وتحقیق نے غرائب الکرامات وعجائب المکاشفات کو حضرت شیخ برہان الدین کے ملفوظات کا مجموعہ قرار دیا ہے۔جب کہ غرائب الکرامات وعجائب المکاشفات کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ یہ رسالہ کرامات و مکاشفات پر مشتمل ہے۔خود مؤلف نے بھی اپنے دیباچے میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ رسالہ کرامت پر مشتمل ہے، چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

”اخوان باصفا اور برادران باوفا میں سے ایک فرد نے درخواست کی کہ وہ رسالہ جو حضرت شیخ الاسلام کی کرامت پر مشتمل ہے،معرض وجود میں لائیں۔فی البدیہ طور سے میری دعا باب اجابت کو پہنچ گئی۔خاندان کریم کے خدام وملازمین کے لیے اس سے بڑھ کر کون سی یادگار ،مریدوں کے لیے کون سا تحفہ اور شریف خانوادے کے لیے کون سا سامان ہوسکتا ہے۔“

نصیحت آموز واقعات:

یہ رسالہ درس عبرت واقعات اور سبق آموز کرامات سے پُر ہے جس میں لوگوں کے لیے سامان ہدایت اور پیغام درس ہے اور لائق عمل بھی۔

خدمت خلق کی تعلیم وہدایت:

مشائخ کا یہ متفقہ ارشاد ہے کہ خلق خدا کو آرام پہنچانے سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں ہے۔اس اعتبار سے اگر حضرت شیخ برہان الدین غریب کی کتاب حیات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ آپ تا حیات اسی پر کاربند رہے۔اپنی زندگی کے ابتدائی ایام سے لے کر عمر عزیز کے آخری لمحات تک کو آپ نے خلق خدا کی راحت رسانی کا کام کیا ہے اور انھیں دینی و

روحانی اور دنیاوی وسماجی ہر اعتبار سے فائدہ پہنچایا ہے۔

شیخ مجد الدین بیان کرتے ہیں کہ:

آپ اپنے ابتدائی احوال میں گھر سے اپنے حصے کا کھانا لے کر اسے درویشوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتے اور خود کم کھاتے تھے۔ اگر آپ کسی بھوکے کتے کو دیکھ لیتے تو اس کے پاس کھانا لے جاتے..اور اس کو کھلا دیتے اور کتے کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ پر رکھتے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے لیے درخواست کرتے اور مناجات کرتے کہ اے خدا! تو اسے اپنی طرف بلا اور درگاہ الٰہی کے مخلصوں میں سے بنا!

حضرات! جس شخصیت کے اندر ایام طفلی سے ہی خود ایثاری کا جذبہ کارفرما ہو، اپنے سے زیادہ خلق خدا کی راحت رسانی کی فکر دامن گیر ہوا اور اپنے پیٹ کو بھوکا رکھ کر غریبوں، مسکینوں اور جانوروں کی شکم سیری کا خیال ہو، بھلا اس کی عظمت ومنزلت کا کوئی کیا قیاس لگا سکتا ہے۔ یہی نہیں کہ آپ نے بھوکے کتے کو کھانا کھلایا بلکہ اس کو کھلانے کے ساتھ ساتھ اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں رکھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے لیے عرض گزار بھی ہوئے اور بارگاہ خداوندی میں اس کو قرب عطا کرنے کی درخواست بھی کی۔ آپ اندازہ کریں کہ جس انسان کو ایک جانور کی اتنی فکر ہوگی، اس کے اندر ایک انسان کے تئیں ہمدردی وخیر خواہی کا جذبہ کس درجہ موجزن ہوگا اور اس کو مقامات عالیہ پہ پہنچانے پر کس درجہ حریص ہوگا۔

حضرت شیخ برہان الدین جہاں اپنے طور پر خدمت خلق اور بندگان خدا کی راحت رسانی کا فریضہ انجام دیتے تھے، وہیں اپنی صحبت وخدمت میں رہنے والوں، ارادت وعقیدت

مندوں کو بھی اس کارِ خیر کی طرف ترغیب دلا کر اس امر کی بڑی تاکید و تنبیہ فرماتے تھے۔ اس سلسلے میں بہت سے واقعات رسالے میں درج ہیں، ان میں سے حضرت شیخ رکن الدین عماد کاشانی سے متعلق ایک واقعہ نہایت اہم اور دلچسپ ہے۔ شیخ رکن الدین اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

"مجھ حقیر کو بارہا یہ خیال پیدا ہوا کہ اب میں سلطان (ناصر) کی خدمت و ملازمت ترک کر کے کنجِ قناعت اور گوشہ خلوت اختیار کروں گا۔ یہاں تک کہ ایک روز یہ بات میرے دل میں راسخ ہوگئی اور اسی نیت کے ساتھ میں نے حضرت قطب المدار کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا۔ جب ملاقات کے شرف سے مشرف ہوا تو اس سے پہلے کہ میں آپ کی خدمت میں کچھ عرض کروں اور اپنے دل کی تمنا خواہش کو زبان پر لاؤں، حضرت قطب المدار نے کشف سے معلوم کرتے ہوئے کچھ اشعار بیان فرمائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ خواجہ احمد معشوق اس مقام و مرتبہ کو پہنچے ہوئے تھے کہ وہ بادشاہوں کے دروازے پر جاتے اور خلق خدا کے کاموں کو مکمل کرنے میں اقدام فرماتے تھے۔ تم نے خواجہ احمد معشوق کی حکایت سنی ہوگی، لہٰذا اب تم بھی ان کے طریقے پر شاہی محل میں جا کر بندگانِ خدا کے کاموں کے لیے اقدام کرو اور ان کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤ کہ یہ عمل تمھاری گوشہ نشینی اختیار کرنے اور گھر میں رہنے سے بہتر ہے۔"

اس واقعے سے ایک چیز کا اندازہ ہوا، وہ یہ کہ جس طرح حضرت محبوب الٰہی نے اپنے مرید و خلیفہ حضرت شیخ غریب کو اپنے دور کا بایزید فرمایا تھا اسی طرح شیخ غریب نے بھی اپنے مرید و خلیفہ شیخ رکن الدین کو گویا اپنے دور کا شیخ احمد معشوق فرمایا جس سے شیخ رکن الدین کی قدرو

منزلت کا اندازہ ہوتا ہے۔شیخ احمد معشوق کا مقام کیا ہے؟ آپ حضرات کو معلوم ہوگا کہ یہ حضرت شیخ صدرالدین عارف سہروردی جو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے فرزند تھے، کے مرید و خلیفہ تھے۔فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت محبوب الٰہی نے شیخ احمد سے شیخ احمد معشوق ہونے کا واقعہ ذکر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ یہ جاڑے کے موسم میں پانی میں چلے گئے اور بارگاہ الٰہی میں عرض گزار ہوئے کہ اے میرے مولیٰ میں کیا ہوں۔اخیر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ سارے اولیا میرے عاشق ہیں اور تو میرا معشوق ہے۔اس کے بعد سے آپ کا نام شیخ احمد معشوق ہوگیا۔

خصوصیات و انفرادیات:

اس رسالے میں بہت سے تاریخی آثار و واقعات بھی درج ہیں جو علم تاریخ کے شائقین کے لیے دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔اس میں مورخین کے لیے کافی گراں قدر معلومات فراہم کر دی گئی ہیں۔

اس رسالے سے خود مؤلف رسالہ شیخ مجدالدین کاشانی اور ان کے خاندان و برادران کے سلسلے میں خاصا مواد ملتا ہے...

اس رسالے سے پتا چلتا ہے کہ مؤلف ایک جید نثر نگار و انشا پرداز ہونے کے ساتھ ساتھ ایک باکمال شاعر بھی تھے۔جگہ جگہ انھوں نے موقع محل کی مناسبت سے اپنے اشعار پیش کیے ہیں۔رسالے کے اخیر میں انھوں نے اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ کے وصال پر ملال پر رقت آمیز اور درد انگیز مرثیے بھی کہے ہیں جو بہت ہی اہم ہیں۔

اپنے عہد کے شاہان وسلاطین اور امرا و حکام کا بھی واقعات کے ذیل میں جا بجا ذکر ملتا ہے۔

اس رسالے میں حضرت شیخ غریب کے ۴ ؍خلفا و مریدین کا الگ سے ذکر بھی ہے جن میں مولانا فرید الدین ادیب، مولانا زین الدین داؤد حسین شیرازی، خواجہ نصیر الدین اور شیخ ملک مبارک شمس الملک کے اسمائے مبارکہ شامل ہیں۔ ان حضرات کا نہ صرف. اس میں ذکر ہے بلکہ ان کی بھی چند کرامات کو شامل کیا ہے۔ ان میں شیخ فرید ادیب کا ذکر بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ شیخ فرید ادیب کو اپنے شیخ کامل سے کس قدر عقیدت و محبت تھی اور شیخ کامل کو بھی ان پر بڑا فخر و ناز تھا، اس کا اندازہ اس کتاب میں درج کچھ واقعات سے بخوبی ہوتا ہے۔ یہاں ان کے چند اوصاف و کمالات کو بیان کیا جاتا ہے:

(۱) اگر آپ کے مصلا یا سونے کے کپڑے کو پکڑا جاتا تو اس سے چمک دار روشنی نکلتی اور پورا مقام روشن ہو جاتا تھا۔

(۲) حضرت شیخ برہان الدین غریب فرماتے ہیں:

”میں نے اپنی تمام ظاہری و باطنی نعمتیں مولانا فرید الدین کے حوالے کر دیں اور ان کو جاری کر دیا۔ اگر کل قیامت میں خدائے تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا کہ اے برہان الدین! میری بارگاہ میں تو کیا (تحفہ) لایا ہے تو عرض کر دوں گا کہ فرید کو لایا ہوں۔“

شیخ فرید الدین ادیب کو اپنے شیخ کامل کے ادب و احترام اور ان کی گدی کے تقدس و عظمت کا بڑا خیال تھا۔ مولانا لطف الدین قاضی فرید الدین ادیب کے مناقب میں بیان

کرتے ہیں:

میں ایک روز مولانا فرید ادیب رحمۃ اللہ علیہ کی قدم بوسی کے لیے گیا تھا۔ دیکھا کہ آپ تنہا بیٹھے ہوئے گریہ وزاری کر رہے ہیں۔ جب آپ خودی اور ہوش سے باہر آئے تو میں نے بڑی جسارت و جرات کے ساتھ پوچھا کہ رونے کی وجہ کیا تھی؟ مولانا نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ حضرت قطب المدار کا فرمان جاری ہو گیا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد ان کے سجادۂ رشد و ہدایت پر میں بیٹھوں۔ کسی کو یہ مجال اور ہمت ہو گی کہ حضرت قطب المدار کی جگہ یہ پر بیٹھ سکے۔ خدائے تعالیٰ سے میں یہی چاہتا ہوں کہ حضرت قطب المدار سے پہلے ہی میں دار فنا سے دار بقا کی طرف چلا جاؤں۔"

دوسری شخصیت حضرت مولانا سید زین الدین داؤد بن حسین شیرازی کی ہے۔ حضرت مولانا زین الدین بھی حضرت شیخ برہان الدین کے مرید و خلیفہ تھے اور پھر اپنے پیر و مرشد کے وصال کے بعد ان کے جانشین بھی ہوئے۔ اس سعادت مند اور قابل فخر مرید کے بارے میں حضرت شیخ برہان الدین نے فرمایا ہے کہ "یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی مغفرت و بخشش ہو چکی ہے۔"

کچھ بزرگان طریقت کے اہم واقعات کا معتبر ماخذ و مصدر صرف یہی رسالہ ہے جن کا ذکر عموماً دیگر کتابوں میں نہیں ملتا، مثلاً اس کتاب سے خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی کتاب حیات کے کئی اہم گوشوں پر روشنی پڑتی ہے:

(ا) خواجہ نصیر الدین جب بیعت کے لیے دہلی آئے تھے تو ان کا قیام خواجہ برہان

الدین کے یہاں تھا۔

(۲) خواجہ برہان الدین نے خواجہ نصیر الدین کی خلافت و جانشینی کی پیشین گوئی پہلے ہی کر دی تھی۔

(۳) خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کی مجلس بیعت و خلافت کے وقت خواجہ برہان الدین غریب بھی موجود تھے۔

(۴) خواجہ نصیر الدین بھی خواجہ برہان الدین کی مجلس میں بیٹھنے والوں اور حاضر باشوں میں تھے۔

جس شخصیت کے بارے میں مکاشفہ ہوا ہے، یا جس سے کرامت بیان اور نقل ہوئی ہے، بیان کرامت ومشاہدہ سے پہلے ان تمام شخصیات کا مناسب القاب وآداب کے ذکر کے ساتھ ساتھ ان کا علمی وروحانی اجمالی تعارف بھی پیش کر دیا گیا ہے جس سے ان کی زندگی کے کئی گوشوں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

یوں تو حضرت شیخ برہان الدین کا مشہور لقب "غریب" ہے جو آپ کے پیر ومرشد حضرت محبوب الٰہی ؒ کا عطا کردہ ہے لیکن غرائب الکرامات میں بجائے اس لقب کے "قطب المدار" سے التزام کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے اور کہیں شیخ الاسلام سے بھی۔

مؤلف نے کمال احتیاط کے ساتھ تالیف کا کام انجام دیا ہے۔ حضرت شیخ غریب کی حیات مبارکہ میں پیش آمدہ واقعات کو بیان کرنے کے بعد اخیر میں الحمدللہ رب العالمین لکھا ہے جب کہ بعد وفات والی کرامات کو بیان کرنے کے بعد واللہ اعلم لکھا ہے جس میں بڑی

حکمت پوشیدہ ہے۔

غرائب الکرامات کے مطالعے کے بعد اس امر کا بھی انکشاف ہوتا ہے کہ شیخ رکن الدین کاشانی نے کو حضرت ملک مبارک شمس الملک کی خواہش پر تالیف کیا ہے۔شیخ مجد الدین کاشانی نے اس پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

غرائب الکرامات کے مطالعے سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مؤلف نے اپنی تالیف کے وقت جن علما و مشائخ سے واقعات و روایات اخذ کیے ہیں، ان میں کچھ حضرات باحیات تھے جیسا کہ دامت برکاتہ وغیرہ سے اندازہ ہوتا ہے۔اسی طرح جن بزرگان طریقت سے انھوں نے کرامات و مکاشفات کی سماعت کی ہے، ان کو تحریر کرتے وقت وہ انتقال کر چکے تھے جیسا کہ علیہ الرحمۃ والغفران وغیرہ دعاے مغفرت کے جملے سے اندازہ ہوتا ہے۔

عہد و سنہ تصنیف

چند معروضات و گزارشات:

اخیر میں یہ کہنا چاہوں گا کہ ویسے انفرادی طور پر کچھ حضرات مثلاً، مولانا میر سید غلام علی آزاد بلگرامی اور دیگر حضرات نے کچھ پہل ضرور کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت خواجہ برہان الدین غریب جیسی بلند پایہ علمی و روحانی شخصیت پر جتنا خاطر خواہ کام ہونا چاہیے اور ان کی علمی، دینی ،اخلاقی، روحانی، سماجی وغیرہ خدمات کا ذکر ہونا چاہیے وہ باضابطہ نہیں ہو سکا ہے۔ پہلے حضرت شیخ برہان الدین کے ملفوظات وغیرہ بآسانی دستیاب بھی نہیں تھے، اب تو ماشاء اللہ کچھ تو ترجمہ تحقیق کے ساتھ منظر عام پر آچکے ہیں۔ان تمام کتابوں کو بغور مطالعہ کر کے حضرت شیخ پر تحقیقی

کام کرانے کی ضرورت ہے، ان کے احوال و کمالات اور خدمات اور کارناموں پر تحقیقی اور مبسوط کام ہونا چاہیے اور ان کی حیات مبارکہ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنا چاہیے ۔ حضرت شیخ برہان الدین کی کئی کتابوں کا بھی انکشاف ہوا ہے پہلے ان کتابوں کی بازیافت کی کوشش ہونی چاہیے، پھر ان کی دستیابی کے بعد انھیں مختلف زبانوں میں ترجمہ کرا کر جدید اسلوب میں منظر پر لائیں ۔

کسی بھی شخصیت کا نام تذکروں کی بدولت ہی علم و ادب کی تاریخ میں زندہ رہتا ہے اور یہی معلومات بعد میں آنے والی نسلوں کی ہدایت و رہ نمائی کے لیے قیمتی اثاثے ہوتی ہیں ۔ اللہ بھلا کرے خاندان کاشانی کے شیخ عماد الدین کے فرزندان والا تبار کا جنھوں نے اپنے پیر و مرشد کے ملفوظات اور احوال وکوائف کو تحریر فرما کر بڑا احسان کیا ہے جن کی کتابیں حضرت خواجہ برہان الدین پر تحقیق و ریسرچ کے لیے بنیادی مراجع اور اہم دستاویزات کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ ان میں سے اکثر کتابوں کا تو فارسی سے اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کتابوں کو رائج مختلف زبانوں میں بھی منتقل کر دیا جائے تا کہ شیخ غریب کی تعلیمات سے ہر طبقہ محفوظ ہو سکے اور ان کے علمی و روحانی کا دائرہ استفادہ مزید وسیع و ہمہ گیر ہو سکے ۔

اسی ضمن میں بطور خاص ایک اور بات کہنا چاہوں گا، وہ کہ شیخ مجد الدین کاشانی نے حضرت خواجہ برہان الدین کی حیات میں وقوع پذیر کرامات کے ساتھ حضرت شیخ کے وصال کے بعد کی بھی کرامتوں کو شامل کیا ہے جس سے دراصل انھوں نے اس بات کی طرف اشارہ

کیا ہے کہ حضرت شیخ کے وصال کے بعد کی کرامتوں کو محفوظ کرنا چاہیے، اور انھیں معتبر راویوں کے حوالوں سے ہی بیان کرنا چاہیے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی آئے دن جو حضرت شیخ کے مزار مبارک سے کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں، انھیں بھی معتبر حضرات و افراد کے حوالوں سے بھی تحریری شکل میں لانے اور محفوظ کرنے کی ضرورت ہے تا کہ ان کو پڑھ کر مشائخ کی عظمت ان کے دلوں میں اور رچ بس جائے اور بزرگان طریقت کے تصرفات باطنی اور روحانی دستگیریوں سے وہ اپنی حاجتیں پوری کریں اور ان کی بارگاہوں میں اپنے مسائل و معاملات کو پیش کر کے حل کی کوشش کریں۔

شیخ مجد والدین نے غرائب الکرامات کے انتظامیہ میں ایک بڑی اچھی بات کہی ہے۔اس میں انھوں نے کرامتوں کو تحریر کرنے کا مقصد بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

”مذکورہ چند کرامات کو اس وجہ سے قلم بند کر دیا کہ مریدین کے یقین میں مزید اضافہ ہو اور وہ جانیں کہ شیخ حیات و ممات دونوں میں حامی و مددگار ہیں اور ہر حال میں شیخ کی ولایت سے التجا کریں کہ شیخ وفات کے بعد بھی مرید کے احوال و افعال پر مطلع ہیں اور شیخ کو مردہ نہ جانیں کہ خدائے تعالیٰ کے ولیوں کو موت نہیں۔“

البتہ اس میں یہ ضرور احتیاط رکھی جائے کہ مستند افراد سے بیان کردہ واقعات کو ہی کتاب میں جگہ دیں اور دن تاریخ اور سنہ کے ساتھ انھیں لکھیں اور راوی کی تفصیل بھی درج کریں تا کہ بعد میں ان کی سند پر کوئی حرف گیری نہ کر سکے۔

تصوف عین اخلاق ہے

مقالہ نگار: سید شاہ حسینی پیراں

کامل الحدیث جامعہ نظامیہ، ایم اے عربی اردو

برادر سجادہ نشین آستانہ گلسرم و کرکندہ شریف، مقیم گلبرگہ شریف، کرناٹک

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد السابقين والاحقين وعلى آله الطيبين الطاهرين واصحابه الاكرمين الافضلين اجمعين امابعد!

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام کے اخلاق کریمانہ کو اس طرح بیان فرمایا: "**انک لعلی خلق عظیم**" (بیشک آپ عظیم الشان خلق پر فائز ہیں) حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی بعثت کا مقصد بھی اس طرح بیان فرمایا ہے "**إِنَّمَا بُعِثْتُ لا تَمِّمَ مَكَارِمَ الاخلاق**" ترجمہ: میں اچھے اور عمدہ اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں۔

جس دین کامل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے اس دین میں انسان کے لئے ہر طرح سے تربیت کی راہیں ہموار ہیں۔ اسی کی ایک راہ "راہ طریقت" بھی ہے، جو انسان کی زندگی کا اعلیٰ مقصد ہے۔ اسی راہ کو راہ تصوف بھی کہا جاتا ہے۔ اگر اس موضوع پر بحث کی جائے تو موضوع کافی طویل ہوگا، مگر ہم یہاں صرف تصوف کے ایک نمایاں وصف سے بحث کریں گے اور وہ "اخلاقی وصف ہے۔"

اخلاق کی اہمیت کا اندازہ احادیث مبارکہ سے ہوتا ہے ام المومنین حضرت عائشہ

صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے" **اللّٰھم حَسَّنْتَ خَلقِ فَأَحْسِن خُلُقِي** (یعنی اے اللہ تو نے میری جسمانی تخلیق کو اچھا کیا میرے اخلاق کو بھی اچھا بنا۔(مسند احمد)

جامع ترمذی میں حدیث شریف ہے "**اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقاً**" مومنوں میں سے ایمان کے لحاظ سے کامل وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں (ترمذی) اور ایک روایت ہے" **من سعادہ المرء حُسْنُ الخُلُق** " یعنی حسن اخلاق بندے کی سعادت مندی میں سے ہے۔

میں نے اپنے مقالے کا جو عنوان بنایا ہے وہ دراصل تصوف کی ہی ایک تعریف ہے، جس کو سلسلہ قادریہ کے عظیم بزرگ عارف باللہ، ابوالخیر حضرت سید عبدالقادر عیسی علیہ الرحمہ نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف" حقائق تصوف میں ذکر کیا ہے بلکہ آپ نے اس تصنیف کی ابتداء ہی اس قول سے فرمائی **التَّصَوُّف کُلُّهُ أَخْلَاقِ فَمَنْ زَادَ عَلَیْکَ بِأَلَا خَلَاقٍ زَادَ عَلَیْکَ بِالتَّصَوُّفِ**، یعنی تصوف سارا کا سارا اخلاق ہے، جو تم میں اخلاق کے اعتبار سے آگے ہے وہ تصوف میں بھی آگے ہے۔فی زمانہ یہ تعریف بہت موزوں بھی اور ضرورت کے اعتبار سے لازمی بھی ہے۔کیونکہ معاشرے میں اخلاق کا فقدان نظر آرہا ہے۔تصوف کے بابت پروفیسر ڈاکٹر عبد القادر غیاث الدین فاروقی (حال مقیم امریکہ) اپنی کتاب اردو شاعری اور تصوف (تاریخی وتنقیدی جائزہ) میں حدیث شریف نقل فرماتے ہیں: جس سے ہماری اس بات کی تائید ملاتی ہے کہ تصوف عین اخلاق ہی کا نام ہے۔

"حضرت محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں

التصوف خُلق فمن زاد علیک في الحلق زاد علیک في التصوف یعنی تصوف نیک خوئی (یعنی خوش اخلاقی) کا نام ہے جو شخص نیک خوئی میں بڑھ کر ہوگا وہ تصوف میں بھی بڑھ کر ہوگا۔ (ص ۹۷)

ڈاکٹر فاروقی صاحب مزید حضرت ابوحفصؒ کے ارشاد کو نقل فرماتے ہیں جس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اخلاق ہی تصوف ہے۔ چنانچہ حضرت ابوحفصؒ فرماتے ہیں:

"تصوف سراپا آداب کا مجموعہ ہے۔ اس میں ہر وقت کیلئے ایک ادب ہے اور ہر حال و مقام کیلئے آداب مقرر ہیں۔ جس نے اوقات کے آداب کی پابندی کی، وہ انسانوں کے درجہ تک پہنچ گیا اور جس نے آداب کو ضائع کیا وہ مقام قرب سے دور اور قبولیت کی توقع میں ناکام رہا ظاہری آداب باطنی آداب کی نشانیاں ہوتی ہے۔" (اردو شاعری اور تصوف، تاریخی و تنقیدی جائزہ) ص78

حضرت خواجہ جنید بغدادی علیہ الرحمہ نے تصوف کے بابت فرماتے ہیں:

"تصوف دراصل اپنے آپ کو اچھے اور عمدہ
اخلاق سے سنوارنے اور تمام بری عادتوں کو چھوڑ
دینے کا نام ہے"

ایک اور مقام پر آپ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"ایک بد اخلاق نیک و کار شخص کے مقابلے میں مجھے ایک خوش اخلاق فاسق زیادہ عزیز"

اس سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ خوش اخلاق صوفیاء کرام کے نزدیک کسی درجہ کا حامل ہے۔ تصوف کو اگر لفظ صفا سے مشتق مانا جائے تو اخلاق کی طرف ہنمائی ملتی ہے جیسا کشف المحجوب میں ہے

"تصوف صفا سے مشتق ہے اس سے مراد صفات بشری کا کدورت سے پاک ہونا ہے(کشف المحجوب)

تصوف و شاعری میں علاقہ دکن میں ممتاز حیثیت کے مالک قصبہ گوگی شریف میں آرام فرما صوفی بزرگ حضرت قاضی محمود بحریؒ (ولادت 1620 وفات 1717ء) جنہوں نے اردو و فارسی میں پچاس ہزار سے زائد اشعار کہے انہوں نے جہاں پر تصوف کے اعلیٰ اُصول بیان فرمائے وہیں اختتام پر آپ نے تزکیہ نفس و اصلاح اخلاق کو ہی تصوف قرار دیا ہے۔صوفیاء کرام نے اخلاق ہی کو پیش کیا تو لوگوں نے انہیں صوفی کہا۔چنانچہ

"حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تم کسی مومن کی تعریف نہیں کر سکتے تو کم از کم اس کی مذمت بھی مت کرو، اگر تم اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو اسے نقصان بھی مت پہنچاؤ اور اگر تم اس کو خوش نہیں کر سکتے تو کم از کم اسے مغموم (غم زدہ) بھی مت کرو۔یہ سب وہ صوفیانہ اوصاف ہیں جو معاشرہ ہی نہیں بلکہ بستی میں رہنے والے اشخاص کی کردار سازی اور امن وامان کے قیام میں کلیدی رول ادا کرتے ہیں جو اخلاق سے متعلق ہیں۔
(شہباز 2008ء مرتب ڈاکٹر سید شاہ گیسو دراز خسرو حسینی ص 12)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسن اخلاق سے انسان وہ درجہ پالیتا ہے جو

دن بھر روزہ رکھنے اور رات کو شب بیدار رہنے سے حاصل ہوتا ہے۔اسی لئے خانقاہی نظام میں سالک کو پہلا سبق یہ دیا جاتا ہے"باادب بانصیب بے ادب بدنصیب"

بنیادی طور پر اخلاق میں دو چیزیں شامل ہیں۔

(۱) حسن گفتار

(۲) حُسن کردار۔اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان دونوں میں اخلاص موجود ہو۔

حسن گفتار کی بہترین مثال:

اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ و ہارون **علیہم السلام** کو جب فرعون جیسے سرکش ومغرور کے پاس اپنی دعوت کے لئے بھیجا تو فرمایا"**فقولا له قولا لينا**"تم ان سے نرم بات کہنا،یعنی آپ دونوں اُس سے جب بات کرنا تو حسن گفتار سے کام لینا۔اس ارشاد باری تعالیٰ سے حسن گفتار کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے بھی حسن گفتار کو پسند فرمایا،اور بد زبانی کو نہ پسند فرمایا۔روایت میں آتا ہے کہ سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ میں مختلف اوقات میں دو مختلف عورتوں کے متعلق دریافت کیا گیا ایک کے متعلق عرض کیا گیا کہ وہ فرض نمازوں کے علاوہ نوافل کا بھی اہتمام کرتی ہے صدقہ واجبہ کے ساتھ نوافل کی بھی پابند ہے۔لیکن گفتگو کے اعتبار سے اچھی نہیں،آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں کچھ خوبی نہیں وہ اہل دوزخ میں سے ہے،دوسری عورت کے متعلق عرض کیا گیا کہ وہ صرف فرض نماز ادا کرتی ہے۔صدقہ واجبہ ہی ادا کرتی ہے مگر زبان کی بڑی اچھی ہے اپنی گفتگو سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتی،اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نیک ہے اور یہ جنت میں بھی

جائے گی ۔(مفہوم حدیث)

محدث دکن حضرت سید عبد اللہ شاہ نقشبندی قادری ؒ اپنی کتاب مواعظہ حسنہ میں حدیث شریف نقل فرماتے ہیں حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان اپنے حسن اخلاق کی بدولت جنت کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ جاتا ہے اگر چہ عبادت کم کرتا ہو ۔(اس سے مراد نفل عبادات ہیں) اور بد اخلاقی کے باعث اسفل طبقہ جہنم میں داخل ہو جاتا ہے گو عابد ہی کیوں نہ ہو ۔(مواعظہ حسنہ جلد دوم، از: محدث دکن عبد اللہ شاہ نقشبندی وقادری ،ص159، طبع دوم 2007ء)

سیدنا جنیدی بغدادی فرماتے ہیں

”میرے پاس اگر خوش اخلاق فاسق بیٹھے یہ اس سے بہتر ہے کہ بد اخلاق قاری (عالم) بیٹھے“ ۔(فیضان احیاء العلوم :ص 272،مکتبہ المدینہ)

صوفیاء کے نزدیک بااخلاق جاہل بداخلاق عالم سے بہتر ہے ۔حسن کردار کی بہترین مثال خود حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حیات طیبہ میں موجود ہے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت بابرکت میں 10 سال رہا مگر کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے میری کسی بھی غلطی پر اف تک نہ فرمایا حتیٰ کہ کوئی قیمتی چیز بھی مجھ سے ضائع ہو جاتی تب بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کبھی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا ۔(مشکوۃ شریف)

ایک اور مقام پر سید عبد اللہ شاہ نقشبندی قادری ؒ لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"انسان کا دل خوش کرنا اور اسکی دل جوئی اور راحت رسانی افضل ترین عمل اور تقرب الی اللہ کا بہترین ذریعہ ہے۔ اور فرماتے ہیں مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی اس میں لکھا تھا، جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہنچایا کرو، مومن کا دل اسرار ربوبیت کا مقام ہے، اور فرمایا قیامت کے بازار میں کسی سودے کی اتنی قیمت نہ ہوگی جتنی دل کا خیال رکھنے والے اور دل خوش کرنے والے کی ہوگی۔"

(مواعظہ حسنہ جلد دوم، از محدث دکن عبداللہ شاہ نقشبندی وقادریؒ ص،351-350 طبع دوم 2007ء)

یہ ساری باتیں بلند اخلاق سے تعلق رکھتیں ہیں ایسے ہی پاکیزہ اخلاق صوفی کہلاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ کے آخری زمانے میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر روانہ کیا تو رخصتی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کو بہت سی نصیحتیں فرمائیں، جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حکم سے اپنی سواری پر سوار ہوئے تو آخری نصیحت جو فرمائی وہ یہ تھی "**یا معاذ أَحسِنُ خُلُقَکَ لِلنَّاسِ**"، یعنی اے معاذ مخلوق کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آؤ۔ (موطا امام مالک)

مذکورہ احادیث مبارکہ واقوال صوفیاء کرام کو ہم مدنظر رکھیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کا کوئی وزن اس وقت تک قائم ہی نہیں ہوسکتا جب تک کہ انسان کے اخلاق، کردار وزبان، اسلامی سانچے میں ڈھل نہ جائیں، یہی عمدہ اخلاق ہمیں صوفیاء کرام کی سیرتوں میں نظر آتی ہیں، اس لحاظ سے حضرت شیخ عبدالقادر عیسیٰ علیہ الرحمہ کا نقل کردہ قول بڑا جامع اور عمدہ ہے۔

"تصوف سارا کا سارا اخلاق ہے جو تم میں اخلاق
کے اعتبار سے آگے ہے وہ تصوف میں بھی آگے ہے"

خواجہ دکن، سلطان القلم حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کی مجلس میں آپ کے ایک مرید نے اپنی ساتھی کو لفظ "تو" کہہ کر مخاطب کیا (وہ غیر مسلم تھا) یہ جملہ سن کر حضرت سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ ناراض ہوئے اور اپنے مرید سے فرمایا کہ تم نے اپنے ساتھی کو کیسے نازیبہ انداز سے مخاطب کیا جواب میں آپ کے مرید نے ادباً عرض کیا حضور وہ غیر مسلم ہے اس لئے میں نے اس طرح کہا اس پر آپ نے فرمایا وہ تو غیر مسلم ہے مگر تم تو مسلمان ہو تمہیں آداب بجالانا چاہیے۔

قرآن وحدیث کے پیش نظر، اولیائے کرام کی پاکیزہ تعلیم اور اخلاق کی اہمیت پر ان کے مبارک اقوال سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تصوف عین اخلاق کا نام ہے، جو اخلاق کے اعتبار سے بہتر ہوگا وہی تصوف میں بھی بڑھ کر ہوا۔

آخر میں، میں تصوف کی تعریف پر مشتمل چند اقتباسات اختصاراً پیش کر رہا ہوں جن میں ان بزرگوں کے اقوال مبارک پیش ہیں جنہوں نے اخلاق کو ہی تصوف قرار دیا ہے

ابی یحی زکریا الانصاریؒ فرماتے ہیں" تصوف ان کیفیات کا علم ہے جن کے ذریعہ نفس کا تزکیہ اور اخلاق کا تصفیہ اور ظاہر و باطن کی تعمیر ہوتی ہے، تا کہ انسان ابدی سعادت حاصل کر سکے۔"

حضرت ابو علی قزوینی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی ہے تصوف پسندیدہ اخلاق (کو اختیار کرنے) کا

نام ہے۔"

ابو محمد جریری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے تصوف ہر اخلاق حمیدہ کو اختیار کرنے اور ہر اخلاق (شنیعہ) رذیلہ کو ترک کرنے کا نام ہے۔

حضرت کتانی علیہ الرحمۃ نے اوصاف مزمومہ سے دامن بچانے کو "علم التصوف" کا مقصد بتایا ہے۔

"رسالہ قشیریہ" میں ابو محمد جزیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"تصوف ہر اعلیٰ اخلاق میں داخل ہونے اور ہر ذلیل عادت سے نکلنے کا نام ہے۔"

حضرت احمد خزویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "تصوف باطن کی گندگی اور کدورتوں سے پاکیزگی حاصل کرنے کا نام ہے۔"

حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "تصوف اچھے اخلاق کے مجموعہ کا نام ہے"۔

مصادر ومراجع

1 سورہ قلم آیت نمبر ۴

2 سورہ طٰہٰ آیت نمبر ۴۴

3 کتاب الادب المفرد للبخاری

4 ابوداؤد، ترمذی

5 دارمی، مشکوۃ

6 شعب الایمان

7 موطاامام مالک

8 کشف المحجوب

9 حقائق تصوف از: حضرت سید عبد القادر عیسیٰؒ

10 مواعظہ حسنہ جلد دوم، ازمحدث دکن شاہ عبد اللہ شاہ نقشبندیؒ حیدرآباد، ص351-350

11 شہباز، مرتب ڈاکٹر سید شاہ گیسو دراز خسرو حسینی ص12

12 اردو شاعری اورتصوف (تاریخی وتنقیدی جائزہ) از پروفیسر عبد القادر غیاث الدین فاروقی ص79

13 ایضاً

14 اقوال و افکار حضرت جنید ی بغدادی، مرتب ڈاکٹر شیخ شاہ افضل الدین جنیدی سجادہ نشین روضہ شیخ دکن

15 اردو شاعری اورتصوف (تاریخی وتنقیدی جائزہ) از پروفیسر عبد القادر غیاث الدین فاروقی ص380-381

16 مواعظہ حسنہ جلد دوم، ازمحدث دکن شاہ عبد اللہ شاہ نقشبندیؒ حیدرآباد، ص159

17 فیضان احیاء العلوم ص272، مکتبۃ المدینہ

حضرت حماد الدین کاشانیؒ حیات و خدمات

سید شاہ مجیب الدین سرمست

سجادہ نشین بارگاہ اولیاء سگر شریف

الحمدلله رب العالمين والصلوة والسلام علی رسول الكريم اما بعد!

سگر شریف اور خلد آباد شریف علاقہ دکن میں اسلام کے مرکز میں سگر اور خلد آباد کا روحانی تعلق بہت گہرا رہا ہے اکثر اولیاء کاملین کی آمد و رفت رہی ہے۔ سب سے پہلی کڑی جو سگر شریف اور خلد آباد شریف کو جوڑتی ہے وہ ذات اقدس ہے حضرت خواجہ منتخب الدین زرزری زر بخش کی ہے۔ جو معرکہ کربلائے ثانی میں اپنے پیر بھائی حضرت صوفی سرمست اسد الاولیاء کے ہمراہ سگر شریف میں موجود تھے اور بعد از معرکہ اشاعت تبلیغ دین کے لئے جماعت اولیاء کے ہمراہ خلد آباد تشریف لائے۔

حضرت معین الدین گنج العلوم" جو سلسلہ جنیدیہ کے مشہور اہل قلم بزرگ ہیں آپ بھی سن 737ھ میں خلد آباد سے سگر شریف تشریف لائے۔ دوران قیام کئی کتب تصنیف فرمائی۔ اسی طرح ہر زمانے میں اکثر بزرگان کرام جو علاقہ دکن دکن بغرض اشاعت اسلام و تبلیغ دین تشریف لاتے ان دنوں مقدس مقامات پر حصول برکت کے لئے حاضر ہوتے۔ اس طرح خلد آباد اور سگر شریف کا سات صدیوں سے روحانی تعلق رہا ہے۔ اس روحانی تعلق کو مستحکم کرنے والی ذات بابرکت منظور الاولیاء حضرت خواجہ حماد الدین کاشانیؒ ہے۔

آپ کا اسم مبارک حماد الدین آپ کے والد بزرگوار کا نام عماد الدین ہے آپ ملک کا

شان میں پیدا ہوئے جو ایران کا ایک علاقہ ہے آپ کا بچپن وہیں گزرا آپ کے والد بزرگوار نے مع اہل وعیال بود و باش کے لئے ملک کاشان سے ہندوستان کا رخ کیا اور دہلی میں مقیم رہے۔

سن 1327ء میں سلطان محمد بن تغلق نے جب اپنا پایہ تخت دہلی سے دولت آباد منتقل کیا تو اکثر اولیائے کاملین جو دہلی میں مقیم تھے دولت آباد تشریف لائے جن میں حضرت خواجہ عماد الدین کاشانی ؒ کا خاندان بھی موجود تھا۔

حضرت خواجہ حماد الدین کاشانی ؒ کے تین بھائی تھے (۱) خواجہ رکن الدین کاشانی (۲) خواجہ برہان الدین کاشانی (۳) خواجہ مجد الدین کاشانی جو سب اہل قلم بزرگ گزرے ہیں۔ یہ تینوں حضرات نے خواجہ برہان الدین غریب کے ملفوظات کو قلم بند کیا۔

دوران قیام دولت آباد حضرت خواجہ حماد الدین کاشانی ؒ اپنے برادران اور والد محترمہ کے ہمراہ سلطان العارفین خلیفہ محبوب الٰہی حضرت خواجہ برہان الدین غریب رحمتہ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں سن 1332ء میں بیعت کی اور خواجہ برہان الدین غریب کی خدمت میں تادم حیات رہے۔آپ کے روحانی فیض سے یہ چاروں مرتبہ ولایت پر پہنچے۔

صاحب روصتہ الاقطاب کے مطابق حضرت برہان الدین اولیاء نے حضرت حماد الدین کاشانی اور آپ کے براوران کو سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔

حضرت خواجہ حماد الدین کاشانی اور آپ کے تینوں برادران حضرت برہان الدین

اولیاء کے محبوب مریدین میں شمار کئے جاتے ہیں۔اس بات کا اندازہ نفائس الانفاس کی ۱۵ جمادی الثانی ۷۳۷ھ کی مجلس سے ہوتا ہے۔

حضرت رکن الدین کاشانی فرماتے ہیں کہ:

"آج بندہ اپنے بھائی خواجہ مجد الدین کے ہمراہ قدم بوسی کو حاضر ہوا آپ نے از راہ بندہ نوازی فرمایا تم چار بھائی ہو تمہارا پانچواں بھائی میں ہوں تم چھوٹے ہو میں بڑا تمہاری والدہ میری بہن ہے جس طرح بھائی اپنی دعاؤں میں اپنے بھائی کو یاد رکھتے ہیں اسی طرح تم بھی میرے لئے دعا کرتے رہنا پھر فرمایا کہ یہ بات جو میں نے کہی ہے کہ تم میرے بھائی ہو یہ فضول نہیں واقعی ایسا ہی ہے جیسا میں نے کہا یہ کہہ کر حضرت خواجہ رونے لگے اور بار بار یہی فرماتے "اسے فضول مت سمجھنا" (نفائس الانفاس)

احسن الاقوال کی مترجمہ ڈاکٹر فرحین بیگ حضرت خواجہ حماد الدین کا شانی کے حالات میں لکھتی ہیں کہ برہان الدین اولیاء نے حماد الدین کاشانی کے حق میں فرمایا تھا کہ "حماد تو زندہ ولی ہوگا اور جو نعمت یہ فقیر رکھتا ہے اس سے تو حصہ پائیگا"

حضرت برہان الدین اولیاء کی نگاہ ولایت نے حضرت حماد الدین کاشانی کو صاحب کشف بنا دیا۔

صاحب انوار سرمست نے حضرت حماد الدین کاشانی کے تعلق سے لکھا ہے کہ آپ نے حضرت صوفی سرمت سے حالت کشف میں دریافت فرمایا اس کربلائے ثانی میں قبور کی تعداد کتنی ہے حضرت صوفی سرمست نے فرمایا کہ ایک قطب کا اس سرزمین پر سے گذر ہو گا جو

دہلی سے آئیگا اس کی آمد سے تعداد قبور کا پتہ چلے گا جب خواجہ بندہ نواز دہلی سے دکن تشریف لائے تو آپ نے بغرض زیارت سگر شریف کا رخ کیا آپ کے ہمراہ سات بنڈی پھول تھے اور آپ ہر مزار پر دو پھول پیش کرتے ہوئے زیارت فرماتے اس سے تعداد قبور کا اشارہ ملتا ہے ۔اس واقعہ کے بعد سے یہ بات مشہور ہوگئی کہ احاطہ کر بلائے ثانی آستانہ صوفی سرمست میں 1400 اولیائے کاملین مدفون ہیں۔

مولانا عبدالمجید **بقیۃ الغرائب** کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت حماد الدین کاشانی سگر شریف سے روضہ شریف (خلد آباد شریف) کو حضرت برہان الدین غریب کی زیارت کا ارادہ کیا تو خواجہ مجد الدین کاشانی نے آپ کے ہمراہ ایک غلاف مبارک روانہ کیا جب خواجہ حماد الدین کاشانی روضہ شریف پہنچے اور زیارت کے لئے اندر تشریف لے گئے تو غلاف مبارک سامان میں بھول گئے روضہ مبارک سے آواز آئی جو غلاف لائے تھے پیش کرو فوراً غلاف لے کر حاضر ہوئے اور پھر آواز آئی جو جو مطالبات ہو لکھ کر لاؤ تو آپ فرماتے ہیں کہ کل آٹھ مطالبات پیش کئے جو سب تھوڑی دیر بعد پورے ہوئے۔

مترجم "روضۃ الاولیاء خلد آباد" عبدالمجید صاحب خلد آبادی لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ حماد الدین کاشانی بحکم پیر دمرشد بعد وفات پیر و مرشد سگر شریف تشریف لے گئے۔

صاحب انوار سرمست نے لکھا ہے جب حضرت حماد الدین کاشانی سگر شریف پہنچے تو آپ کو خانقاہ صوفی سرمست کے لنگر خانہ کا مہتمم مقرر کیا گیا اور تادم حیات آپ اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔سگر شریف میں آج بھی یہ روایت باقی ہے کہ درگاہ شریف میں

دوران عرس حضرت صوفی سرمست لنگر آپ ہی کی گنبد مبارک کے قریب تیار ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ عماد الدین کاشانی "12 جمادی الاولی 761ھ" کو اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے حضرت خواجہ حماد الدین کاشائی کی وفات دوران محفل سماع ہوئی رات بھر حالت جذب میں رہے اور صبح کی اولین ساعتوں میں اس دنیا سے رخصت ہوئے بعد وفات آپ کے برادر خواجہ مجد دالدین کا شانی ؒ نے دیکھا کہ آپ تبسم فرمارہے ہیں یہ دیکھ کر مجد دالدین کا شانی نے چیخ ماری اور کہا کہ خواجہ حماد زندہ ہو گئے ۔وہاں پر موجود خواجہ قوام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مولا نامردان خدا زندہ ہی رہتے ہیں۔اور جب آپ کا جنازہ تدفین کے لئے لے جایا جارہا تھا تو وہاں پر موجود تمام سادات کرام مشائخین علماء اور عوام کا ایک کثیر مجمع تھا اور ہر فرد آپ کو کاندھا دینا چاہتا تھا تو آپ کا جنازہ معلق ہوا میں چلتا یہ دیکھ کر کئی کفار نے اسلام قبول کیا۔آپ کو حضرت صوفی سرمت" کے آستانہ مبارکہ میں حضرت کے پائین کچھ دوری پر سپر دلحد کر دیا گیا شاہان بہمنی کے ابتدائی دور میں آپ کی مرقد مبارک پر گنبد مبارک کی تعمیر کی گئی۔ہر سال 4 ربیع الثانی عرس حضرت صوفی سرمست ؒ کے دوران آپ کی بھی سالانہ فاتحہ خوانی منعقد ہوتی ہے اور سجادہ نشین بارگاہ صوفی سرمست مراسم صندل مالی انجام دیتے ہیں۔

دنیائے تصوف میں خصوصاً سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ پر آپ کا ایک عظیم احسان یہ رہا کہ آپ نے اپنے پیر و مرشد سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے عظیم بزرگ محبوب الٰہی کے خلیفہ خاص حضرت خواجہ برھان الدین غریب ؒ کے ملفوظات کو قلمبند کیا اور اہل تصوف بالخصوص چشتیوں کیلئے رہنمائی کا ایک ورثہ چھوڑا۔

آپ نے کل پانچ کتابیں تصنیف فرمائی

آپ کی مشہور زمانہ تصنیف " احسن الاقوال" ہے جس میں حضرت غریب کے ارشادات آپ کے بیان کردہ وظائف اور پیران چشت کے اقوال درج ہیں۔اس کتاب میں کئی ایک اہم مسائل پر گفتگو کی گئی ہے اور اس میں کل پچیس باب قائم کئے گئے ہیں۔آٹھویں صدی ہجری کے آخر سے ہر صدی میں جو کتب تواریخ ،تصوف یا خواجگان چشت کے حالات پر لکھی گئیں ہیں ان میں اکثر مورخین صوفیاء نے احسن الاقوال سے روایات نقل کی ہیں۔اس بات سے احسن الاقوال کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

خواجگان چشت کے ملفوظ ہیں جس میں لکھے

ساتھ صدیوں سے منور احسن الاقوال ہے

"نثار احمد فاروقی "اپنی کتاب" نقد ملفوظات" میں لکھتے ہیں کہ خواجہ نظام الدین اولیاء اور بابا فرید الدین گنج شکر کے اقوال پر احسن الاقوال ایک اہم اور مستند مآخذ ہے ۔احسن الاقوال کے علاوہ آپ نے ایک کتاب" **نافع المسلمین** "تصنیف فرمائی یہ کتاب فقہ کے مسائل پر لکھی گئی ہے۔مزید دو کتابیں **الحُصول الأصول و اسرار طریقت** ان کتب میں آپ نے طریقت کے اصولوں پر گفتگو کی ہے۔ یہ تینوں کتابیں دور حاضر میں نایاب ہے اور نادر ہے۔

ایک اور کتاب **مرآة المحققین** حضرت خواجہ حماد الدین کاشانیؒ کی طرف منسوب ہے۔جس کا ذکر" انوار خلد" کی منصفہ نے کیا ہے۔وہ لکھتی ہیں کہ یہ رسالہ خواجہ حماد الدین کاشانیؒ

کی تصنیف ہے جس میں کل 51 صفحات ہیں ہر صفحہ پر دس سطریں ہیں اور 7 ابواب قائم کے گئے ہیں۔

ان ابواب میں خالص صوفیانہ انداز میں حقائق و معارف بیان کئے گئے ہیں۔مزید آپ لکھتے ہیں کہ خود خواجہ حماد الدین کاشانی ؒ نے اس رسالہ میں فرمایا کہ یہ رسالہ معرفت، خداشناسی اور عجائب قدرت کے بیان کو سمجھنے میں لکھا گیا ہے اس لئے میں نے اس کا نام **مرآۃ المحققین** رکھا ہے۔مرآۃ کا مطلب آئینہ اور جب کوئی خوش عقیدہ آدمی اس کتاب کا مطالعہ کرے گا تو اس میں خود کو دیکھے گا۔اور خود سے خداشناسی تک پہنچ سکے گا۔(**من عرف نفسه فقد عرف ربه**) جس نے خود کو پہنچانا اس نے رب کو پہنچانا۔

علاقہ دکن کے اولین چشتی بزرگوں کی اگر ہم بات کریں جنہوں نے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ فرمائی تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان میں سر فہرست منظور الاولیاء حضرت خواجہ حماد الدین کاشانی کی ذات بابرکت نظر آتی ہے جنہوں نے سن 732 ھ سے ہی تصنیف و تالیف کا آغاز فرمایا۔آپ سے قبل اس علاقہ میں کسی بزرگ نے تصنیف و تالیف کا کام شروع نہیں کیا۔ خلد آباد میں مدفون حضرت خواجہ امیر حسن علاسنجری کی کتاب فوائد الفواد جو حضرت نظام الدین محبوب الٰہی ؒ کے ملفوظات ہیں کا ذکر ملتا ہے چونکہ یہ کتاب دہلی میں لکھی گئی ہے اس اعتبار سے احسن الاقوال ہی دکن کا اولین چشتی ملفوظ قرار پائے گا۔

علاقہ دکن میں حضرت عین الدین گنج العلوم بھی اسی دور کے اہل قلم بزرگ گزرے ہیں آپ کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے اپنی تصانیف دوران قیام سگر شریف قلمبند

فرمائی اور آپ کا سگر شریف تشریف لانا 737ھ کے بعد کا ہے اور آپ کا تعلق سلسلہ عالیہ جنیدیہ سے ہے، اس طرح بھی حضرت خواجہ حماد الدین کاشانی ؒ ہی دکن کے اولین اہل قلم چشتی بزرگ مانے جائیں گے۔

اس دور کا ایک اور رسالہ "رسالہ زر بخش" کا پتہ چلتا ہے اس کے مصنف کون تھے اور یہ کب اور کہاں لکھا گیا ہے اس کا پتہ نہیں ملتا۔ اور نہ رسالہ اب دستیاب ہے۔ ایک ملفوظ حضرت خواجہ غریب کا اخبار الاخیار جس کو حضرت حمید قلندر نے قلم بند کیا جو دہلی میں لکھا گیا اور حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کو پیش کیا گیا۔ اس سے بھی علاقہ علاقہ دکن میں احسن الا قوال کی اولیت ثابت ہوتی ہے۔

علاقہ دکن کے سلطان القلم حضرت گیسو درازؒ نے بھی مختلف علوم پر کئی کتب تصنیف فرمائی آپ کا زمانہ بھی حضرت حماد الدین کاشانیؒ کے زمانے کے بعد کا ہے۔ ہمارے لئے یہ بات باعث افتخار و اعزاز ہے کہ یہ ذات بابرکت جنہوں نے علاقہ دکن میں سب سے پہلے تصنیف و تالیف کا کام کیا سگر شریف میں وادی گنج شہیداں امام کربلائے ثانی خلیفہ سلطان المشائخ حضرت صوفی سرمست اسد الاولیائے کے پائین زیر گنبد آرام فرماں ہیں۔

حضرت حمادؒ ہیں جو نائب برھان ہے
خواجہ گان چشت کا یہ بولتا فیضان ہے

مصادر و مراجع

۱) رسالہ انوار سرمست

۲) ترجمہ احسن الاقوال از عبدالمجید خلد آباد

۳) ترجمہ احسن الاقوال از ڈاکٹر فرحین بیگ

۴) نفائس الانفاس

۵) روضۃ الاقطاب

۶) انوار خلد

۷) سوانح عین الدین گنج العلوم

۸) ششماہی تصفیہ، خصوصی شمارہ چشتی ملفوظات

۹) نقد ملفوظات

خلدآباد کے بزرگوں کی ادبی خدمات

چشتی بزرگوں کے ملفوظات اس دور کے ادب، سماج، ثقافت اور معاشرہ کی صحیح اور سچی ،صاف اور بے داغ تصویر پیش کرتے ہیں۔ ہندوستان میں ساتویں صدی ہجری سے چودھویں صدی کے آخر تک جو فارسی ادب پیدا ہوا، اسی طرح اردو ادب میں نظم ونثر کے جو ابتدائی نمونے ملتے ہیں ان میں اکثریت ایسے لکھنے والوں کی ہے جو خود صوفی ہیں یا صوفیائے اکرام کی خانقاہوں میں ڈھالے گئے ہیں۔

صوفیائے اکرام نے مقامی زبان و ادب اور لوک روایتوں کی ہر دور میں سرپرستی کی ہے اور اسے فروغ دیا ہے۔لوک ساہتیہ میں صوفیا کی خدمات کو ہم کبھی فراموش نہیں کرسکتے ۔صوفیاء لوگوں سے ان کی مقامی زبان میں ہی رشد و ہدایت کا کام انجام دیتے تھے۔

فوائد الفواد:

حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الہیؒ کے ملفوظات کے متعدد مجموعے مرتب کیے گئے لیکن سب سے زیادہ قبولیت "فوائد الفواد" کو نصیب ہوئی۔اس کے مرتب خلدآباد میں آرام فرما بزرگ حضرت خواجہ امیر حسن علاء سجزی ہے۔امیر حسن علاء سجزی کے کثیر التصانیف ہونے کا ذکر برنی اور امیر خورد دونوں نے کیا ہے۔فوائد الفواد یہ ہر دور میں صوفیہ کے لئے دستور بنی رہی ہے اور ادبِ ملفوظ کا مثالی نمونہ سمجھی جاتی ہے۔ بعد کے زمانے میں مرتب ہونے والے بہت سے ملفوظات اسی کے نمونے پر جمع کیے گئے ہیں۔اس کی مقبولیت کیلئے یہی کافی ہیکہ حضرت امیر خسرو نے بارہا خواہش کی کہ امیر حسن میری ساری تصنیفات لیں لے اور فوائد الفواد

مجھے دیں دے۔فوائد الفواد کو برنی نے" دستور صادقان ارادت" بتایا ہے۔
آپ کا ایک دیوان بھی ہے (مرتبہ مسعود علی محوی، حیدر آباد سن ۱۳۵۲ھ)
ممتاز شاعر اور نثر نگار امیر حسن علاء سجزی اپنے کمالات علم و ادب کی بنا پر فارسی ادب کی تاریخ میں نمایاں مقام کے حامل ہیں۔مولانا شبلی نعمانی کے بقول" صنف غزل پر ان کا خاص احسان ہے اور جو سوز و گداز اور جذبہ و اثر ان کے کلام میں موجود ہے وہ ان کے کشتہ محبت امیر خسروؒ میں بھی نہیں۔شاعری میں ایسا کمال پیدا کیا تھا کہ سعدی ہند کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔امیر حسن علاء سجزی کی ایک اور مختصر تصنیف عشق کے موضوع پر مخ المعانی کے نام سے ہے۔ ۲۳ محرم ۷۱۲ھ کو امیر حسنؒ نے بیعت کے پانچ برس بعد یہ رسالہ سلطان المشائخ " کی خدمت میں ملاحظے کے لئے پیش کیا۔سلطان المشائخ " نے ملاحظہ فرما کر اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔سلطان المشائخؒ نے اپنے سر مبارک کی کلاہ ان کے سر پر رکھی اور یہ شعر زبان مبارک سے ارشاد فرمایا۔

در عشق تو کار خویش ہر روز　　　　از سر گیرم زہے سروکار

(تیرے عشق میں ہر روز میں اپنا کام نئے سرے سے شروع کرا ہوں۔کیا خوب کاروبار ہے۔(۱)
یہ مختصر رسالہ ادب صوفیہ میں عشق حقیقی کے موضوع پر ایک بیش بہا اضافہ ہے۔اس تحریر کی ہر سطر اور ہر لفظ سے حضرت محبوب الٰہی کا روحانی فیض عیاں ہے۔
"مخ المعانی میں لفظ عشق پر تصوف کے نقطہ نظر سے گفتگو کی گئی ہے یہ کتاب خلد آباد سے شائع ہو چکی ہے۔

قوام العقائد:

حضرت محبوب الٰہی کا ایک اور اہم ملفوظ قوام العقائد ہے ۔جس کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ ترتیب زمانی میں فوائد الفواد کے بعد اس کا دوسرا نمبر ہے۔ یہ ۷۵۵ھ ۱۳۵۴ءمیں خلد آباد و دولت آباد میں لکھی گئی ۔اس میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں وہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے مرید و خلیفہ حضرت قوام الدین معروف بہ شمس العارفین نے روایت کیے ہیں ۔ان روایات کو ان کے پوتے محمد جمال قوام نے محرم ۷۵۵ سے رجب ۷۵۵ تک چھ ماہ کی مدت میں قلمبند کیا۔تالیف کے وقت تک حضرت شمس العارفینؒ زندہ تھے ۔اس طرح یہ ایک چشم دید راوی کے بیانات ہیں ۔آٹھویں صدی ہجری کی فارسی نثر کی کتابیں زیادہ نہیں ملتی ہیں ۔اس لحاظ سے یہ کتاب ادبیات فارسی ہندی کے ذخیرے میں بھی ایک گراں قدر اضافہ ہے اور اُس عہد کی بول چال کی فاری کا نمونہ پیش کرتی ہے ۔(قوام العقائد اردو ترجمہ ۱۳ (ضیاء وجیہ رامپور)

تحفہ نصائح:

تحفہ نصائح حضرت سید یوسف حسینی المعروف راجو قتال حسینیؒ کی تالیف ہے ۔آپ نے یہ کتاب اپنے فرزند حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کے لئے لکھی تھی ۔ یہ اپنے نام کی طرح واقعی قیمتی نصیحتوں اور آداب زندگی کا مجموعہ ہے ۔اس کے ۴۵ /ابواب ہیں جن میں مصنف نے بڑی عمدگی سے وہ مسائل بیان کر دیے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر تقویٰ وطہارت کی زندگی بسر کی جا سکتی ہے ۔

آپ کا ایک فارسی دیوان بھی ہے۔(تحفۃ الفصائح ،مکتبہ قادریہ لاہور)

حضرت شیخ منتجب الدین زرزری زر بخش کی تصنیف میں رسالہ زرزری زر بخش مشہور ہے جس میں آپ نے علم تصوف شریعت طریقت عبادات نجات پر بحث کی ہے۔ (جواب نایاب ہے)(گلستان خلد آباد ص ۱۲۹) حضرت نظام الدین اولیاء کے ممتاز و قدیم مرید خلیفہ حضرت خواجہ برہان الدین غریب تھے۔جو حضرت کے لنگر کے نگراں تھے۔محبوب الٰہی کے حکم پر دولت آباد تشریف لائے حضرت برہان الدین غریب کے مریدوں میں خواجہ رکن الدین کاشانی ” خواجہ حماد کاشانی ” مجد والدین کاشانی “ اور ختم المشائخ حضرت زین الدین داؤد بن حسین شیرازی بڑے عالم فاضل اور تصنیف و تالیف کا ذوق رکھنے والے بزرگ تھے۔

خواجہ رکن الدین عماو دبیر کاشانی کی تصانیف میں رسالہ غریب تفسیر رموز الوالبسین ، اذ کار المذکور ،نفائس الانفاس شمائل الاتقیاء،لغت نوادر المعانی ہے۔

نفائس الانفاس حضرت برہان الدین غریب کا اہم ملفوظ ہے جو شائع ہو چکا ہے جس کے بغیر آپ کے حالات و واقعات ادھورے ہیں ۔خواجہ رکن الدین کا شانی ” کو نفائس الانفاس جمع کرنے کی ترغیب امیر حسن سجزیؒ جامع فوائد سے ملی۔

نفائس الانفاس میں رمضان ۷۳۲ ھ سے ۷۳۸ ھ یعنی حضرت غریب کی وفات تک کل ۴۹ رمجالس کے احوال قلم بند کیے ہیں ۔آٹھویں صدی ہجری کے نثری فارسی متون نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں ان ہی شہ پاروں میں اس کا بھی شمار ہے۔نفائس الانفاس میں نہ صرف حضرت قطب الدین بختیار کاکی حضرت بابا فرید الدین گنج شکر حضرت نظام الدین اولیا

محبوب الٰہی اور دیگر بزرگوں کے بارے میں مفید معلومات ملتی ہیں بلکہ محمد بن تغلق کے ہندوستانی معاشرے کی جھلکیاں بھی جا بجا موجود ہیں۔

حضرت غریبؒ نے فرمائش کی کہ وہ تصوف کے بنیادی اصول ومسائل اور طریقت وسلوک کے آداب پر بھی ایک مستند اور جامع کتاب لکھیں جس سے تصوف کا مطالعہ کرنے والوں کی رہنمائی ہو۔ رکن الدین دبیر کاشانیؒ نے شمائل الاتقیاء تالیف کی جس میں مختلف عنوانات کے تحت تصوف کے بہت سے موضوعات پر قدما کے مستند اقوال کی روشنی میں قیمتی مواد جمع کر دیا۔ اس کتاب کے آغاز میں انہوں نے مآخذ ومصادر کی ایک فہرست بھی دی ہے جس میں کتابوں کی تعداد سو سے زیادہ ہی ہے۔

بعد کے زمانے میں "شمائل الاتقیا" بہت مقبول رہی۔ اسے خانقاہوں میں ایک نصابی کتاب کی طرح پڑھا جاتا تھا۔ اس کا دکنی زبان میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ یہ کتاب چشتی سلسلے کے سلوک اور طریق تعلیم وآداب کے بارے میں نہایت جامع اور مستند ہے۔ نظری تصوف کے مباحث پر ہندوستان میں جو چند بلند پایہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ شمائل الاتقیاء ان میں اہم ترین بھی ہے اور قدیم ترین بھی یہ کتاب اس قابل ہے کہ آج بھی اسے تصوف کی درسی کتاب کے طور پر پڑھا جائے (نقد ملفوظات ۲۰۰ ص)

خواجہ حماد کاشانی کی تصانیف میں ایک حضرت غریبؒ کا ملفوظ احسن الاقوال ہے۔ دوسری کتاب فقہ میں نافع المسلمین ہے۔ فن سلوک میں دو اور کتابیں اسرار الطریقت اور حصول الوصول بھی ان ہی کے رشحات قلم سے ہیں۔

احسن الاقوال یہ ملفوظات کا مجموعہ مجلسوں کے اعتبار سے مرتب نہیں ہوا ہے بلکہ اس میں سلوک وتصوف اور اخلاق سے متعلق موضوعات قائم کئے گئے ہیں اور ہر عنوان کے تحت مولانا برہان الدین غریب کے فرمودات درج ہیں۔حضرت بابا فرید الدین گنج شکر اور محبوب الٰہی کی کوئی بھی مفصل سوانح حیات اس ملفوظ سے بے نیاز ہو کر نہیں لکھی جا سکتی۔یہ مجموعہ اقوال ملفوظات کے عام اسلوب نگارش اور طرز اظہار سے قدرے مختلف انداز میں قلمبند ہوا۔احسن الاقوال کے مطالعہ سے اخلاقی نظام اور تعلیمات کا بھی بہت واضح تصور سامنے آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگ اصلاح اخلاق میں کسی حد تک کوشاں رہتے تھے۔

غرائب الکرامات و عجائب المکاشفات حضرت خواجہ برہان الدین غریب کے کرامات، حالات وملفوظات کا ایک نادر مجموعہ ہے۔یہ کتاب حضرت غریب کے مرید بااخلاص خواجہ عماد الدین کاشانی کے فرزند مجد الدین کاشانی کی تالیف ہے۔انہوں نے غرائب الکرامات اور بقیہ الغرائب دو کتابیں مرتب کیں۔ان میں زیادہ تر حضرت غریب کے آخری دنوں کے کرامات حالات وملفوظات ہیں۔خواجہ مجد الدین کی تیسری تالیف دیوان عین الحیات ہے۔جواب نایاب ہے۔

حضرت خواجہ زین الدین شیرازی کے چار مجموعہ ہائے ملفوظات مرتب ہوئے۔

(۱) حبتہ المحبت وجنت المودت ۲) دلیل السالکین وہدایت العاشقین

(۳) حبتہ القلوب من مقال المحبوب (۴) ہدایت القلوب

ان تمام مجموعوں کے جامع اور مرتب میر حسن مولف دہلوی ہے۔اول الذکر تین

مجموعے آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں تو عام رہے۔لیکن بعد ازاں یہ مجموعے گم ہو کر رہ گئے ۔البتہ چوتھا مجموعہ ہدایت القلوب محفوظ ہے۔

حضرت خواجہ میر حسن مولف دہلوی ہدایت القلوب تحریر کرنے سے قبل اپنے پیرو مرشد کی تین ملفوظاتی کتابیں مرتب کر چکے تھے۔ان سے متعلق حضرت مولف حبت المحبت میں تحریر کرتے ہیں۔اس سے قبل میں حضرت زین الدین چشتی کے بارے میں دو کتابیں تصنیف کر چکا ہوں پہلی کتاب حضرت زین الدین شیرازی کے ارشادات مبارکہ پر مشتمل ہے۔اس کا نام دلیل السالکین و ہدایت العاشقین ہے۔اس میں حضرت خواجہ زین الدین شیرازی کے خاندان عالی کے آداب وتہذیب اور روش وطریقت کا بھی ذکر کیا ہے۔اس کی دوسری جلد حبتہ القلوب من مقال المحبوب کے نام سے موسوم ہے اور یہ دونوں کتابیں حضرت خواجہ کی نظر مبارک سے گزر کر شرف قبولیت حاصل کر چکی ہیں۔

یہ سب بلند پایا عالمانہ کتابیں ہیں اور ان میں عہد تغلق و بہمنی کی سماجی تاریخ پر بھی مفید اشارے ملتے ہیں۔اگر سو سال پہلے ان بزرگوں کے ملفوظات کے ترجمے کی رسائی عوام تک ہو جاتی تو اہلسنت والجماعت فرقوں میں نہ بنتے۔

سلسلہ چشتیہ صرف سیر وسلوک کا ایک طریقہ اور ایک روحانی نسبت ہی نہیں بلکہ انسانی شعور کی ایک خاص کیفیت ایک تمدنی مزاج اور ایک تخلیقی طرز احساس کا نام ہے۔اس لئے وہ دنیائیں جو اس سلسلے کی خانقاہوں کے گرد تعمیر ہوئیں ان میں ایک خاص انداز کی جامعیت پائی جاتی ہے۔اور وہ ہندوستانی معاشرہ وتہذیب سے ہم آہنگ ہے۔

اس برصغیر میں تصوف کی روایت عملی اور نظری دونوں پہلوؤں سے بہت شاندار اور جاندار رہی ہے۔صوفیہ کے اثرات اس سرزمین کے چپے چپے پر دیکھے جاسکتے ہیں۔اس میں شک نہیں کہ یہ بزرگ آج بھی دلوں پر حکمرانی کررہے ہیں۔دورحاضر میں بعض خانقاہوں میں نگاہیں صرف آمدنی پر مرکوز ہوکر رہ گئی ہیں اوران بزرگوں کے سوانح حیات الملفوظات،اصلاحی وتبلیغی خدمات کی طرف مطلق التفات نہ رہا۔بزرگوں کی کتابیں وملفوظات جن کے بین السطور میں ان کی نورانی شخصیت جھلک رہی ہے اور جن لفظوں کے پردے میں ان کی اپنی آواز سنی جاسکتی ہے۔ان کے محفوظ کرنے،مطالعہ کرنے اور انہیں عام کرنے کا بھی کچھ اہتمام ہونا چاہیے یہ ان سے عقیدت کا سچا اظہار ہوگا۔

والسلام

محمد ایاز الدین سلیم الدین (مجاور وخادم سابقہ رکن درگاہ کمیٹی)

خانقاہ حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ وحضرت خواجہ منتجب الدین زرزری زربخشؒ (خلدآباد)

funerals causing deceased darwishes to rise up before the Resurrection).

34. Ghara'ib, p. 32. Zuhayr was known for his participation in sama' in Delhi; cf. Nafa'is, p. 62.

35. Ahsan al-Aqwal, p. 129.

36. Ahsan al-Aqwal, pp. 134-5; Shama'il, p. 359.

37. Shama'il, p. 360.

38. Ibid.

39. Shama'il, p. 361.

40. Ibid.

41. The following examples are taken from Ahsan al-Aqwal, ch. 26, pp. 128-135.

42. Shama'il, p. 360, also Ahsan al-Aqwal, p. 135.

43. Umar al-Suhrawardi, cited (as "Shaykh al-Shuyukh") in Shama'il, p. 352.

22. Shama'il, p. 370; the same story is told in Nafa'is al-Anfas, p. 47, but there the conclusion is that not all Qur'an readers understand it.

23. Shama'il, p. 357.

24. Shama'il, p. 356.

25. Ghazali, quoted in Shama'il, p. 357.

26. Shama'il, pp. 357-8.

27. Shama'il, p. 356.

28. Shama'il, p. 358, with a fuller version in Ahsan al-Aqwal, p.134.

29. Hussaini, p. 120.

30. Risalah-i Shamsiyah, in Shama'il, p. 360, apparently quoting from Nizam al-Din; cf. Hussaini, p. 161, n. 131.

31. Shama'il, p. 360; this appears to be from Qushayri, cf. Hussaini, p. 121.

32. From Qushayri (Beirut ed., p. 154, cit. Lawrence, p. 99), except that the last phrase about dance is new.

33. Nafa'is, pp. 83 (Badr al-Din Samarqandi healed by sama'), 68-70 (problem of sama' at

13. Shama'il, pp. 356-7.

14. Mu'izz al-Din Kashani, trans., Misbah al-Hidayat, Tarjumah-i 'Awarif (Newal Kishore, n.d.), pp. 148-54; cf. also Lawrence, p. 101. Lt. Col. Wilberforce Clarke translated some of the relevant passages from this text in The 'Awarifu'l-Ma'arif.

15. Ahsan al-Aqwal, ch. 28, p. 132.

16. Shama'il, p. 360.

17. Gisu Daraz argues that the company by joining in with the ecstatic creates solidarity with him and avoids distracting him by their different behavior (Hussaini, p. 134).

18. Ibid.

19. Shama'il, pp. 343-4, 354-5, 358, 359.

20. For the latter's views on sama', see Sharaf al-Din Maneri, The Hundred Letters, trans. Paul Jackson, The Classics of Western Spirituality (New York: The Paulist Press, 1980), pp. 382-93.

21. Shama'il, pp. 354-5.

be possible. Full details on the writings and history of the Chishtis of Khuldabad will be available in my monograph Eternal Garden, to be published by the State University of New York Press.

6. Rukn al-Din Kashani, Nafa'is al-Anfas (MS in collection of Farid al-Din Salim, Khuldabad), p. 8.

7. Above, n. 1.

8. The standard survey of the early Chishti literature, both genuine and spurious, is Mohammed Habib, "Chishti Mystics Records of the Sultanate Period," Medieval India Quarterly (1950), pp. 1-42.

9. Lawrence, p. 95; this article is an excellent summary of the development of sama' from the classical Sufis to the Chishtis.

10. For details of the controversy, see Khusro Hussaini, Sayyid Muhammad al-Husayni Gisu Daraz: On Sufism (Delhi; Idarah-i Adabiyat-i Delli, 1985), pp. 121-5.

11. Nafa'is, p. 49.

12. Shama'il, pp. 347-8. This distinction is reproduced by Gisu Daraz; Hussaini, p. 128.

Karimi, n.d. [1345/ 1926-7]), pp. 96 (Zayn al-Din), 124 (Shams al-Din Fadl Allah); Majd al-Din Kashani, Ghara'ib al-Karamat (MS in collection of Farid al-Din Salim, Khuldabad), p. 56 (Farid al-Din Adib).

5. Rukn al-Din Kashani wrote Nafa'is al-Anfas ("Choice Sayings") in diary form, recording the conversations of Burhan al-Din Gharib from Muharram 732/Oct. 1331 to Safar 738/Sept. 1337; Majd al-Din Kashani wrote Ghara'ib al-Karamat ("Rare Miracles") as a record of incidents in the lives of Burhan al-Din Gharib and his disciples, along with a supplement, Baqiyat al-Karamat ("The Remaining Miracles, of which no manuscripts now survive); and Hammad al-Din Kashani wrote Ahsan al-Aqwal ("The Finest of Words"), collecting the teachings of Burhan al-Din by topic in 28 chapters, in most cases giving an actual example or proof (burhan) for each practice (rawish) that is mentioned. All of these texts (except Baqiyat al-Karamat) are cited from manuscripts in the collection of Mr. Farid al-Din Salim, President, Committee Dargahjat Hadd-e Kalan, Khuldabad; I would like to record my thanks to Mr. Salim for his kindness and cooperation, without which this study would not

time stress its importance in Sufism as a whole- by quoting Shaykh 'Umar al- Suhrawardi:

The deniers of sama' are either ignorant of the example of the Prophet, deluded by their own knowledge, or perverse by nature. Some masters of sama' can understand a hundred thousand mysteries filled with treasuries of secrets in the voice of the singer and the verse. 43

FOOTNOTES

1. Tarjumah-i Qushayri, cited in Rukn al-Din Kashani, Shama'il al-Atqiya', ed. Ghulam Murtada, Silsilah-i Isha'at al-'Ulum, no. 75 (Hyderabad: Ashraf Press, 1347), p. 356.

2. Bruce B. Lawrence, "The Early Chishti Approach to Sarma'," JAAR Thematic Studies L/l, p. 94.

3. Sayyid Muhammad Mubarak al-'Alawi al-Kirmani Mir Khwurd, Siyar al-Awliya' (Delhi: Matba'-i Muhibb-i Hind, 1302; reprint ed., Islamabad: Markaz-i Tahqiqat-i Farsi-I Iran wa Pakistan, 1398/1978), p. 289.

4. Ghulam Ali Azad Bilgrami, Rawdat al-Awliya' al-Ma'ruf bi-Nafahat al-Asfiya', Urdu translation by Muhammad Abd al-Majid (Hyderabad: Matba'-i

Gharib stood firmly in the tradition of classical Sufism while at the same time he embodied the particular genius of the Chishti order. He faced the problem of the ambiguity of sama' in Islamic law by putting the burden of ethical responsibility on the individual participant in sama'. This emphasis on the contextualise of sama' was thoroughly in consonance with the internal orientation of Sufi ethics. Burhan al-Din also continued the Chishti practice of permitting empathetic ecstasy, the imitation of genuine ecstasy, as a way to introduce novices into the higher ranges of spiritual experience. To avoid the problems of insincerity and affectation in sama, Burhan al-Din insisted on the proper spiritual interpretation of the erotic verses recited in sama', and he determined the psychological basis of sama' to be the most profound spiritual experiences of Islamic mysticism. To maintain the purity of this ritual form of meditation, Burhan al-Din urged a discipline that was designed to eliminate expression of egotism as well as the habitual attitudes of secular life. We can summarize the Chishti attitude towards sama' and at the same

once when someone committed this offence, Nizam al-Din Awliya' rebuked him in the metaphor of lovers' suffering, "Darwishes consume their blood; what have I to do with sherbet?" One should avoid giving greetings to others during sama', to avoid disturbing anyone's concentration. Zayn al-Din Shirazi reiterated this emphasis on solitude in the gathering: "If a hundred Sufis are in sama', one walks so that one's skirt does not touch the skirt of another." But since human nature is what it is, mistakes will occur. When mistakes happen, it would be a serious breach of discipline to point this out publicly. If someone is behaving affectedly or without manners, the proper response is to "remain outwardly silent and help inwardly so that the state becomes balanced again. Our master [Burhan al-Din] said that one uses this prayer: 'Lord, prevent him from this, and protect me from this!"42 There are other rules governing precedence in rituals, the distribution of patched cloaks and gifts to the musicians, etc., but it is difficult to reconstruct these social aspects of the ritual on the basis of the texts alone.

From the writings of the Khuldabad Chishtis on sama'. We can see how Burhan al-Din

inspiration is of greater importance in a singer than artistic skill, and is more likely to induce ecstasy. 40 Although the objective is ecstasy, total control of the ego is necessary to achieve this. Therefore it is forbidden to disclose or display the nature of one's spiritual state. Burhan al-Din Gharib has given a whole series of regulations that apply this principle to the physical behavior of participants in sama'. 41 For instance, he said, "If a darwish unintentionally raises his hand during audition, audition is no longer proper for him." One should be physically restrained. "A darwish should be sober and never allow his hands or feet to touch another; if this happens anyway, he should pull back." Another rule states that if one goes to the extent of rolling on the ground, there is a fine to be paid. The example given is Burhan al-Din himself, who once had actually been crawling (lukidah, a rare word), and received this penalty. It is doubtful that this lack of control had anything to do with the "Burhani" style of dancing that Mir Khwurd mentioned, since that must have been a measured dance of empathetic ecstasy. One cannot drink anything during a musical session or fan oneself, no matter how hot the weather;

these principles from incidents in the circle of Burhan al-Din Gharib, and he also quotes Burhan al-Din Gharib on particular instances of Nizam al-Din Awliya's behaviour during sama. Every session began and ended with recitation of the Qur'an. All the participants were expected to perform ablutions as for ritual prayer, and abstain from chewing betel 35 It was important not to make sama' a mechanical performance. Therefore it should not be held at a fixed time every week, or be made into a profession or a habit. 36 Neither should one be forward or assertive during sama'. Since ecstasy was often the result of the listener's interpretation of a verse, the listener would desire to have that verse repeated; it is acceptable for the listener to request repetition, but "if in spite of his desire he submits and does not have them repeat it, God inspires the reciter" to do so.37 It is forbidden to quiz others who are present about the meaning of a verse, since that is usually only a pretext for the questioner to show off his own knowledge, and talk distracts from the real meaning. 38 One should not criticize the singer, for this reduces the performance to an aesthetic occasion; it is better to refer the matter to God.39 In any case,

seems to be typical of the Chishti approach to sama' that the ecstatic element has been raised to the dominant position. Other effects of sama' include healing and even raising people from the dead. 33 The influence of sama' was certainly considered to extend beyond the grave. "Khwajah Jalal al-Din told of being with Burhan al-Din Gharib on an ecstatic occasion, and mentioned Khwajah Zuhayr Saqa and how tears would fall from his eyes as soon as sama' started. Burhan al-Din Gharib suggested that they visit his tomb and perform pilgrimage (ziyarat). They did, and Burhan al-Din Gharib told Jalal that Khwajah Zuhayr Saqa still had those tears. "34

This description of sama' and the accompanying ecstasy would be incomplete and onesided without an account of the strict discipline that balanced it. What was the function of these rules? In brief, it was to keep open the avenues of divine influence while attempting to exclude the intrusion of the human ego. These rules were not only derived from the classical manuals of Sufism, but also were ideals that followed the concrete examples of the early Chishti masters; most notably, in Ahsan al-Aqwal, Hammad al-Din Kashani records illustrations of

the heart. From the world of emanation to the world of power, then it affects the heart. These are the states which are between kingdom (mulk) and angelicity (malakut). When its agitation becomes visible, it is called 'influences (athar)' which have come from the kingdom to the limbs. 30 Sama' creates a kind of channel between the heard and the spiritual world; and the surging of its energy overflows into the body and releases itself in dance. An older Sufi source states. "Every limb has a portion and a pleasure in sama'. The portion of the eye is weeping, the portion of the tongue is crying out, the portion of the hand is striking the garment, and the portion of the foot is dancing. "31 There is an enigmatic statement by Qushayri, frequently quoted in the sources, that runs as follows: "Sama" is an invitation, and ecstasy is an intention." By this Qushayri appears to emphasize the psychological dimension of participation in sama'. Curiously enough, the version of this saying cited by Rukn al-Din adds an extra phrase, so that it reads, "Sama' is an invitation, ecstasy is an intention, and dance is union."32 The additional conclusion, that "dance is union," appears to have been added by some Indian author, perhaps by Rukn al-Din himself. It

whoever listens to the carnal soul becomes a heretic (zindiq). "27 Burhan al-Din even traced the spiritual source of (one's physical appearance during sama. He said that "Sama has two colors, one yellow and the other red. Everyone on whom distance, wrath, and fear descend turns pale, and everyone who has nearness, union, grace, and hope, blushes. "28 In this way, the fundamental modes of separation from God and union with God manifest directly in the color of the human face.

What would most interest an outside observer about sama' is to see what are the effects of the ecstasy on the participants, but this is a topic that the sources touch upon only lightly, since the spiritual experience is the goal. One of the most intriguing effects of sama' is dancing (raqs), usually spoken of as a spontaneous expression of ecstasy. It is perhaps only among the Mevlevi darwishes of Turkey that rhythmic dance is still practiced as empathetic ecstasy. 29 Though the early Sufi masters at best tolerated ecstatic dance, the Chishtis felt it was a natural effect of the powerful influences of sama'. Nizam al-Din Awliya' is reported as saying, "At the time of sama' and recitation happiness descends on

of sama' is nothing but the reverberation of that primal word of God: "Sama' is the recollection of the speech of the Covenant, and the burning of the fire of longing. "24 The Sufis describe God as having placed a secret into the human heart that day, which is concealed like a spark in stone, but which blazes forth when struck with the steel of sama'. 25 Junayd is quoted as saying, "When to the essence of the children of Adam on the day of the Covenant there came the words, 'Am I not your Lord,' all the spirits became absorbed by its delight. Thus those who came into this world, whenever they hear a beautiful voice, their spirits tremble and are disturbed by the memory of that speech, because the influence of that speech is in the beautiful voice. "26 In other terms, the source of sama' is said to be the "rapture" or "attraction" (jadhb) of God, a kind of energy that irresistibly draws one toward him. The early Egyptian Sufi Dhu al-Nun said, "Sama' is God's rapture that agitates (yaz'aju) hearts toward God." Alluding to the difference in perspective between lovers of God and lovers of the world, Dhu al-Nun said further, "Sama' is the messenger of God (al-Haqq). Whoever listens to God becomes a realizer of truth (muhaqqiq),. and

The disciples asked what the lute was saying. The master said, 'One string said, "O Merciful," and another string said, "O Compassionate."""22 Burhan al-Din here alludes to the experience of divine attributes by direct perception. For Rukn al-Din, however, the theological interpretation is significant. This intellectualism may be contrasted with a passage that Rukn al-Din quotes from Husayn ibn Mansur al-Hallaj (d. 922), who insisted that sama' is not limited to words and thought "that which they hear without notes is not by means of word and voice, but is related to the perception of internal hearing. "23

On the highest level, however, sama' derives from spiritual experiences of the most sublime nature. Ever since the time of Junayd of Baghdad (d. 910), it has been common for Sufis to link sama' with the Qur'anic theme of the primordial Covenant (mithaq) between God and the unborn souls of humanity, when God demanded, "Am I not your Lord (a-lastu bi-rabbikum)?" (Qur. 7.172). This moment, for the Sufis, was not only the perfect statement of the divine unity but also the forging of the link of love between God and the soul. Moreover, the music

divine beauty). This is a process of deliberate thought (fikt) in listening (istima"), aided by divine visitations (waridat). Or more formally, one proceeds through three journeys. "The first is in voice and verse, the second in active attributes, the third in essential attributes.... The root of the matter is thought in sama'."21 Examples of this kind of interpretation are the qualities of divine beauty and majesty, and grace and wrath, as polar manifestations of the power of God. Doubtless also many verses were then as now referred to the great Sufi masters, whose lives and deaths were celebrated regularly by such concerts. As long as one can interpret the poetry in this way, it is a sign of divine guidance, according to Rukn al-Din. This is in general a very systematic and intellectualistic approach to sama', but one that he feels will lead to trans-rational ecstasy. In contrast, a remarkable instance of Burhan al-Din's more direct spirituality is his story of the shaykh who heard a lute that was expressing the divine attributes with its strings. "Then he said, 'Lute, if you only knew what you are saying, every one of your strings would break.' No sooner were these words spoken than the strings of the lute broke.

mystical experience. Rukn al-Din Kashani gives lengthy explanations of the process of interpretation of poetry and empathetic ecstasy, in a number of passages drawn from his lost work Rumuz al-Walihin ("Secrets of the Maddened Lovers"). 19 In these comments Rukn al-Din truly lives up to his nickname spiritual clerk" (dabir-i ma'nawi). He speaks in this text as an intellectual lay follower of the Sufis, which was the highest level permitted to him as a government employee. His audience is not only the elite disciples of the Chishti order, but also the educated Muslims who are interested in Sufism but are not certain how to evaluate it. In his discussion of sama', he emphasizes the need for the novice to interpret the verses in terms of the attributes of God. Allegorical interpretation (tahmil) of the verses of poetry in terms of God or the master is of course a dominant characteristic of Sufi writing, from Ahmad Ghazali to Nizam al-Din Awliya' to Sharaf al-Din Maneri. 20 According to Rukn al-Din Kashani, this is not to be done except in a theologically correct manner. The negative and positive divine attributes are to be correlated with the symbols of poetry (e.g., the cheek of the beloved as the manifestation of

ecstasyseeks real ecstasy by conforming to the behavior of those who have it. "If someone in sama' has no ecstasy nor rapture, the rules (adab) are chat he go stand with the people of ecstasy and conform with them."16 One can observe this custom in the performance of sama' even today, when someone goes into a hal or spiritual state, and the company rises up to conform to his state. Rukn al-Din Kashani is explicit on this point: "If a darwish rises from his spiritual state and ecstasy, the companions should conform, and all rise. This is an approved custom, and a fine tradition; to go against it is to abandon sanctity. "17 If, on the other hand, one has not yet attained ecstasy, but only the intermediate experiences of "rapture" (jadhb) and "taste" (dhawq), one still must conform with the rest, and sit if they are seated, though movement is permitted. In the receptive mood of the sama' assembly, one's state can affect others strongly; therefore, if one is overcome by one the awesome qualities of the divine wrath, one should remain silent to avoid influencing one's companions. 18 Empathetic ecstasy is also a mode of engagement with the recited verses, so that it becomes an intellectual approach to

horrible nature of empathetic ecstasy, though there is some concession in the case of beginners. 14 Yet with Nizam al-Din Awliya' there is a new emphasis on linking the grades of ecstasy with the ranks of the participants in sama'. Nizam al-Din's disciple Fakhr al-Din Zarradi systematized this insight in his treatise on listening to music, Usul al-Sama' ("Principles of Sama"), in such a way that empathetic ecstasy (tawajud) was seen as a proper response to sama', and one that was intrinsically connected to the ecstasy of divine love. This wholehearted enthusiasm for sama' became characteristic of later Chishti writers, such as Mas'ud Bakk (d. 1389) and Ashraf Jahangir Simnani (d. 1422). Burhan al-Din Gharib on occasion did say that empathetic ecstasy was a defect in sama', since true ecstasy and spiritual states were the goal; he repeated to the advice of Nizam al-Din Awliya', that if one does not have ecstasy (wajd), one should call on the name of God as al-Wajid. 15 This insistence on the elite level of experience was unusual, however.

In general, Burhan al-Din and his followers approve of empathetic ecstasy, and they prescribe it first of all as a mode of behavior during sama'. In the ritual, empathetic

Although cast in a legal form, Burhan al-Din's analysis of the listener's motivation puts the burden of responsibility on the individual conscience, for the object of one's love is by its nature secret from the law. Similar was the view of Rukn al- Din Kashani when he was asked if at the Judgment sama' would weigh in the scale of good or of evil; he replied that sama' as the perception of spiritual states did not enter into the scales of actions at all. 13

The Chishtis' focus on purified intention as the criterion of genuine sama' led them to encourage novices to participate in musical sessions, and to seek genuine ecstasy (wajd) even if it meant imitating that ecstasy initially. Many early texts mention the imitation of ecstasy by empathetic ecstasy (tawajud), which is sometimes characterized by a susceptibility to be inspired by hearing a divine communication even in the voices of animals. The subject of empathetic ecstasy had been an ambiguous one in classical Sufism, because of a general abhorrence of affectation or pretense in any form. The Persian translation of Suhrawardi's 'Awarif, for instance, concentrates much of its discussion of the manners of sama' on the

not recommended in the great handbook of Sufism, the 'Awarif of Shaykh Suhrawardi, 11

With this controversy in mind, it is not surprising to find that Burhan al-Din Gharib and his followers upheld a demanding ethical standard for participants in sama', even as they spiritualized some of the technical rules. Burhan al-Din used a framework derived from Islamic law to describe the varying psychological attitudes that lovers of God and lovers of the world bring to the experience of listening to music:

The master (Burhan al-Din) also said, "Sama is of four types. One is lawful, in which the listener is totally longing for God and not at all longing for the created. The second is permitted, in which the listener is mostly longing for God and only a little for the created. The third is disapproved, in which there is much longing for the created and a little for God. The fourth is forbidden, in which there is no longing for God and all is for the created... But the listener should know the difference between doing the lawful, the forbidden, the permitted, and the disapproved. And this is a secret between God and the listener."12

As Bruce Lawrence has observed, "in the Indian environment from the period of the Delhi Sultanate through the Mughal era (1206-1857) sama assumed a unique significance as the integrating modus operandi of the Chishti order."9 Thus the Chishti order stood apart from the Suhrawardi order, which did not emphasize sama', and it was even further removed from the conservative jurists. The jurists' opposition took the form of petitions to the sultans of Delhi, seeking a royal decree forbidding the practice of sama', while the Chishtis and their supporters vigorously defended sama' as permissible under Islamic law. Despite these appeals, both Sultan Iltutmish and Sultan Ghiyath al-Din Tughluq refused to outlaw the Chishtis' observances. 10. Burhan al-Din was undoubtedly aware of both the contemporary debate and the reserve of some of the classical Sufi authorities toward sama'. On one occasion another Sufi, who was not a disciple of Nizam al-Din Awliya', criticized Burhan al- Din’s appearance after sama' (it may be that Burhan al-Din appeared disheveled or had rent his garments); Burhan al-Din responded that this was his master's practice, even if it was

phenomenon as a suspicious and possibly immoral innovation. Although many of the early Sufi masters joined the musical gatherings to hear mystical verses, they more than anyone were conscious of music's power over the soul for both good and evil; consequently, few approved of it without reservation. A number of Sufi authorities give the impression that sama' is a kind of stimulant for those whose spiritual nerves have become deadened. Ahmad al-Ghazali was one of the minority of early authorities who regarded sama' as part of the height of Sufi experience. Shaykh 'Ali Hujwiri of Lahore, one of the first Sufis to dwell in the Indian subcontinent, showed the ambivalence typical of many shaykhs-he praised sama as a source of ecstasy for advanced mystics, but condemned it as a trap of Satan for the unwary novice. The legitimacy of listening to music, in other words, was not a simple question, but depended on the people and circumstances involved. Under the Delhi Sultanate, the Chishti order was in the middle of the continuing controversy over listening to music, because, in a significant new development, sama' had now become the central feature of Sufi practice even for novices.

other things, a comprehensive discussion of the question of sama according to both classical Sufi authors and the Delhi Chishtis.7 Since the early Chishti masters up to the time of Nizam al-Din Awliya' wrote no books, the literary production of Burhan al- Din's disciples is a precious resource.8 The malfuzat writings continue the tradition of Hasan Dihlawi, whose Fawa'id al-Fu'ad eloquently recorded the conversations of Nizam al-Din Awliya' in diary form from 1307 to 1322, and they form a link with the better known malfuzat of later Chishtis such as Nasir al-Din Mahmud Chiragh-i Dihli (d. 1356) and Yusuf al-Husayni Gisu Daraz (d. 1425). Shama'il al-Atqiya was, in contrast, the most scholarly and ambitious theoretical treatise written by a Chishti in the early fourteenth century, and it puts Burhan al- Din firmly in the context of the Sufi tradition.

As a disciple of Nizam al-Din Awliya', Burhan al-Din must have been keenly aware of the controversy that raged in Delhi over the legitimacy of listening to music. This controversy was not new; Sufis in the Islamic heartlands had practiced sama' since the ninth or tenth century, and jurists had not been slow to attack this

After the death of Nizam al-Din Awliya', Burhan al- Din had led a group of Sufis in the enforced migration of Delhi's elite to the Deccan in 1327 when Sultan Muhammad ibn Tughluq made Dawlatabad a second capital of his empire. In the Sufi circle that Burhan al- Din established in Dawlatabad, there were many talented individuals who studied with him. Surviving accounts indicate that sama' was very popular in this group, most notably with Burhan al-Din's successor Zayn al- Din Shirazi (d. 1371), although he had fiercely opposed listening to music before he became a Sufi.4 Among Burhan al-Din's disciples were the four Kashani brothers, three of whom wrote malfuzat ("discourses") collections of his sayings and miracles, giving numerous examples of the rules and practices of sama' as taught by Burhan al-Din.5 From these sources we can see that Burhan al-Din was extremely susceptible to the influence of sama' as well as spiritual discourses in general.6 Another valuable document for this subject is the encyclopedic digest of Sufi teachings, Shama'il al-Atqiya', which Rukn al-Din Kashani wrote as a theoretical accompaniment to his collection of Burhan al-Din's discourses. This work provides, among

it both as a spiritual experience and as an elaborate ritual. I will draw especially upon writings from the circle of one of Nizam al-Din Awliya's outstanding disciples, and one of Amir Khusraw's close friends, Shaykh Burhan al- Din Gharib (d. 1337), to illustrate the Chishtis' theory and practice of sama'. From these writings we can get a glimpse of the ecstatic core of the Chishti tradition, emphasizing sama' as a way to union with God while severely disciplining the carnal self.

Burhan al-Din Gharib was, probably more than any other senior disciple of Nizam al-Din Awliya', dedicated to the practice of sama'. The early biographer of the Chishtis, Mir Khwurd, described Burhan al-Din as follows: In sama' this saint was completely extreme, experienced much ecstasy, and had the prayers (awrad) of lovers. He had a distinctive style (turzi al-hidah) in dancing, so that the companions of this saint were called "Burhanis" among the lovers. Whoever was in the presence of this saint for an hour fell in love with the beauty of his saintliness, because of the ecstasy of his passionate words and the purity of his enchanting conversation. 3

conditions. Demanding psychological and intellectual guidelines, as well as elaborate rules of etiquette govern the enactment of sama'. It has a long tradition going back to the ninth-century masters of classical Islamic mysticism and, in more or less pure forms, continues to play an important role in the spiritual life of Muslims, particularly in South Asia. Although sama' literally means "listening" or "audition," it is more correct to follow Bruce Lawrence's definition of sama' as "hearing chanted verse (with or without accompanying instruments) in the company of others also seeking to participate in the dynamic dialogue between a human lover and the Divine Beloved."2 Unquestionably, the greatest development of sama' as a spiritual and musical technique took place under the Delhi Sultanate, when the Sufi masters of the Chishti order raised sama' to a central position in their observances. The years when Shaykh Nizam al-Din Awliya' (d. 1325) held his court in the suburbs of Delhi, with the brilliant poet and musician Amir Khusraw in attendance, can have few rivals as a time when spiritual and artistic greatness joined together. In this paper I would like to examine sama' as the Chishtis formulated and practiced it, considering

THE THEORY AND PRACTICE OF SAMA' IN THE SUFI CIRCLE OF BURHAN AL-DIN GHARIB

Carl W. Ernst

(Pomona College, Claremont, California)

[Portions of the research for this paper were supported by a Senior Research Grant from the American Institute of Indian Studies in 1981 and a Fulbright Islamic Civilization Research Fellowship in 1986.]

"Sama' is the comprehension of essences by the ear of the heart, the heart's understanding of realities, becoming aware of God's indications and the divine speech and will, the opening up of the tongue of conscience to God, the avoidance of doubt and suspicion, and the conveying of the words of reality by the heart of sama'."!

What is this mysterious thing called sama'? From the description, one would take sama' to be the essential mystical experience, and the direct perception of God by the heart. Yet simply to equate sama' with some kind of inner experience would be misleading, for sama' is a form of religious activity involving musical performance that ideally takes place under the strictest of

Anwaar-E-
Zar Baksh (RA)

(Vol 1)

(2022, 736th Urs Hazrat Khwaja Shaikh Muntajibuddin Zar Zari Zar Baksh RH Ke Muaqe Par Seminar Men Padhe Gaye Maqalat)

Compiled

Mohammad Ayazuddin Saleemuddin

Publisher

Hazrat Burhanuddin Gharib RH Academy

Badke Aali Khuldabad (MH)

Anwaar-E-Zar Baksh (RA)

(Vol 1)

حضرت برہان الدین غریبؒ اکیڈمی

بڑے عالی خلد آباد (مہاراشٹر)

HAZRAT BURHANUDDIN GHARIB ACADEMY

KHULDABAD

اولیائے خلد آباد کی تعلیمات ملفوظات ومشن کی نشر واشاعت
وترویج میں کوشاں سرزمین خلد آباد کا اولین ادارہ

ڈائریکٹر وممبران

+91 982 329 4337	انجینئر محمد ایاز الدین سلیم الدین
+91 989 049 8786	شیخ ابو محمد قاضی خواجہ محمد
+91 957 914 0045	عبدالحمید عبدالمجید
+91 986 097 0385	شمس الدین نور الدین
+91 977 226 9300	مصباح الدین امیر الدین
+91 8237 750 266	سمیر الدین سلیم الدین

9 781234 567897

Aayat Graphics@8149550646